جلد ۱۷ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۵۲ء عدد ۴

مضامین

شذرات

ذاتی مزعومات اور خواہشات کے مطابق اسلامی عقائد و تعلیمات کی تشریح و تاویل کوئی نئی چیز نہین ہے بلکہ ہر زمانہ کے اربابِ ہوا کی جانب سے ہوتی چلی آئی ہے اور اس زمانہ مین جب کہ اسلام کے مقابلہ مین زبان و قلم پر کوئی احتساب نہین ہے بلکہ اس کی ترغیب کے بہت سے اسباب و محرکات پیدا ہو گئے ہین اس فتنہ کا سر اٹھانا کوئی عجیب بات نہین ہے مگر اسلام کے یہ خود ساختہ مجتہدین اس کی تشریح کرتے وقت اس اصول کو بھول جاتے ہین، کہ دنیا کے ہر مذہب، ہر فلسفہ اور ہر نظام مین خواہ اخلاقی و روحانی ہو یا خالص مادی، کچھ عقائد بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہین جن کے بغیر وہ نظام ہی مکمل نہین ہوتا اور وہی اُس کے رد و قبول کا معیار ہوتے ہین، اور ان کو مانے بغیر کوئی شخص اس کا پیرو نہین کہلایا جا سکتا، مگر ان مجتہدین کے نزدیک اسلام اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے، اس کے نہ کوئی بنیادی عقائد ہین، اور نہ قیود و حدود، اُس کی جو تعبیر بھی کر دیجائے وہ صحیح ہے اور لامذہبیت بھی اسلام، دہریت بھی اسلام، کفر بھی اسلام، شرک بھی اسلام، جہالت بھی اسلام، اور ضلالت بھی اسلام، یعنی حقیقی اسلام کے علاوہ ہر چیز اسلام ہو سکتی ہے، یہ وسعت تو وحدۃ الوجودی صوفیون کے مسلک مین بھی نہین ہے،

ظاہر ہے کہ اسے کوئی عقلِ سلیم بھی تسلیم نہین کر سکتی، البتہ ان شارحینِ اسلام کی جانب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کو براہِ راست اسلام کے سمجھنے کا حق حاصل ہے، اس سے قطعاً انکار نہین مگر انہی وسائل کے ذریعہ اور انہی اصولون کے مطابق جن کے مطابق صرف کسی مذہب کی تعلیمات کو بلکہ دنیاوی نظامون، فلسفون، قوانین اور علوم و فنون کو سیکھا اور سمجھا جاتا ہے یعنی اُن کے اصل ماخذون اور ماہرین کے ذریعہ اسلام کا اصلی ماخذ قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ہین، اور علمی حیثیت سے ان کی وہی تشریح و تاویل معتبر مانی جائیگی، جو خود شارع علیہ السلام، آپ کے صحبت و تربیت یافتہ اصحابِ کرام اور ان ائمۂ اسلام نے کی ہے جنھون نے اس کے سمجھنے مین عمرین صرف کر دی ہین، اور ان کو عملاً برت کر دکھایا ہے، اور وہ سلف سے لیکر خلف تک یہی رہی ہین اور اُن پر عمل ہوتا چلا آیا ہے، اور اُن کے مقابلہ مین تیرہ سو سال بعد کے خود ساختہ مجتہدین کی تشریحات کی جنھین

کبھی اسلامی تعلیمات پر غور و فکر کی توفیق نہین ہوئی، کوئی وقعت نہین ہو سکتی،

یہ صرف مذہبی نقطۂ نظر نہین بلکہ وہ علمی اصول ہے جو غیر مسلمون مین بھی مسلم ہے چنانچہ وہ غیر مسلم علماء و محققین بھی جو اسلام کو سمجھنا چاہتے ہین، انہی اسناد اور ماخذون کی جانب رجوع کرتے ہین، یہ اور بات ہے کہ اپنے قصورِ علم و نظر یا کسی غرض کی بنا پر دانستہ یا نادانستہ غلطی کر جائین، اور اسلام ہی پر موقوف نہین ہے بلکہ ہر مذہب، ہر فلسفہ، ہر نظام اور خالص دنیاوی علوم و فنون کو سیکھنے اور سمجھنے کا علمی طریقہ یہی ہے، کہ اس کے اصل ماخذون اور اُس کے ماہرین کے ذریعہ سمجھا اور سیکھا جائے اس کے علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے، وہ غیر علمی اور ناقابلِ قبول ہوگا، اس لئے اسلامی تعلیمات کی جو تشریح و تاویل مذکورۂ بالا اسناد و ماخذون کی تشریحات کے خلاف ہو گی، وہ نہ صرف مذہبی بلکہ علمی حیثیت سے بھی غلط ہو گی، لطف یہ ہے کہ اس اجتہاد مین بھی کوئی جدت نہین ہوتی، بلکہ انہی باتون کو دہرایا جاتا ہے جو اس قبیل کے دوسرے شارحینِ اسلام کہتے چلے آئے ہین، اس اجتہاد مین بھی تقلید کا دامن ہاتھ سے نہین چھوٹتا، وہ ائمۂ اسلام کی نہ سہی عنایت اللہ مشرقی یا اور اس قبیل کے کسی دوسرے مجتہد کی سہی،

پاکستان کی مجلسِ تاریخ (ہسٹاریکل سوسائٹی) کی تاسیس ۱۹۵۰ء مین عمل مین آئی تھی، اس کا پہلا اجلاس کراچی مین اور دوسرا ۱۹۵۲ء مین لاہور مین ہوا تھا، پہلے اجلاس کی روداد جو اس کے مقالات و مضامین پر مشتمل ہے چھپ کر شائع ہو گئی ہے، اس کانفرنس کے دو شعبے تھے، ایک اسلامی تاریخ کا، دوسرا پاک و ہند کی تاریخ کا، پہلے شعبہ کے صدر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی تھے، اور دوسرے کے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، دونون شعبون مین علی الترتیب دس اور تیس مقالات پڑھے گئے، یہ تمام مقالات محققانہ اور بلند پایہ ہین، اور انکی مجموعی ضخامت ۴۰۰ صفحات ہے، ہندوستان مین اس قسم کی جو کانفرنسین ہوتی ہین، اُن مین مسلمان فضلاء اور اہلِ قلم کے مشکل سے دو چار مقالات ہوتے ہین، مگر پاکستان کی اس کانفرنس کے مقالات کمیت اور کیفیت کسی اعتبار سے بھی ہندوستان کی کانفرنسون کے مقالات سے کم نہین ہین، یہ اس کا ثبوت ہے کہ موافق حالات، قدردانی اور حوصلہ افزائی کا اصحابِ علم و قلم کی پیداوار پر کتنا مفید اثر پڑتا ہے، ہندوستان مین مسلمانون کی تعداد بھی کم نہین ہے، لیکن ناموافق حالات کی وجہ سے اُن کی صلاحیتون کو اُبھرنے کا موقع نہین ملتا، اور علمی کانفرنسون مین اُن کے دو چار نام سے زیادہ نظر نہین آتے،

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ مہینہ گاندھی جی کے مشہور چیلے شری مشرو والانے انتقال کیا، وہ ہر یجن کے اڈیٹر اور گاندھی جی کے مشن کے سچے حامل و مبلغ تھے، اور اس زمانہ میں جب کہ کانگریس اپنے اصولوں سے عملاً بالکل ہٹ گئی ہے، اور کانگریسیوں کی اکثریت اقتدار کی ہوس، ذاتی اغراض اور فرقہ پرستی میں مبتلا ہے، اور فرقہ پرستوں اور خود غرضوں کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ سچے کانگریسی بھی مشکل سے اُن کے مقابلہ میں زبان کھولنے کی جرأت کر سکتے ہیں، مشرو والا جی اپنے اصولوں پر قائم تھے، اور آخر دم تک نہایت دلیری کے ساتھ کانگریس کی غلط روی پر تنقید اور گاندھی جی کے اصولوں کی تبلیغ و اشاعت کا فرض انجام دیتے رہے، انھوں نے اُن کی تعلیمات پر متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں، اس خود غرضی اور فرقہ پرستی کے دور میں ایسے مخلص اور سچے کانگریسی کا اٹھ جانا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے، اُن کی موت سے متحدہ قومیت کا ایک بڑا ستون گر گیا، جس کی جگہ مدتوں نہ بھر سکیگی۔

ان صفحات میں اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ دار المصنفین کی کتابوں کی مانگ زیادہ تر پاکستان میں ہے، مگر ہندوستان و پاکستان کے درمیان روز بروز تجارت کی اتنی دشواریاں پیدا ہوتی جاتی ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان غیر سرکاری تجارت کا قائم رہنا مشکل ہے اس لئے پاکستان میں دار المصنفین کی مطبوعات کی خریداری بہت گھٹ گئی ہے، معارف بھی عرصہ سے خسارہ سے چل رہا ہے اور بار بار اپیل کے باوجود اس کے خریداروں کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا، پاکستانی خریداروں کی تعداد خاص طور سے بہت کم ہو گئی ہے، بعض ریاستوں کی جانب سے جو امداد ملتی تھی، اس کا اب کوئی اعتبار نہیں، اس لئے اگر دار المصنفین کے قدر دانوں نے اس کی جانب توجہ نہ کی تو اس کا چلنا مشکل ہو جائے گا، اگر دار المصنفین کی کتابوں کی تجارت قائم رہے اور معارف کے خریداروں میں معقول اضافہ ہو جائے، تو اس کو قطعاً کسی دوسری امداد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اگر ہندوستان اور پاکستان کے مسلمان دار المصنفین کے خدمات کو مفید اور اس کا باقی رہنا ضروری سمجھتے ہیں تو ان کو اس کی مطبوعات اور معارف کی توسیع اشاعت میں پوری کوشش کرنی چاہئے اس کے بغیر دار المصنفین کا چلنا نا ممکن ہے۔

مقالات

شہاب الدین مہمرہ

استاد امیر خسرو

از

سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ایم اے

مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایوں کے رہنے والے تھے، جو ہر زمانہ میں مشائخ علماء اور شعراء کا بہت بڑا مرکز رہا ہے، اُن کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین تھا، جن کے نام کا جزء بھی مہمرہ یا متمرہ تھا، منتخب التواریخ (مؤلفہ ملا عبد القادر بدایونی) میں مولانا شہاب الدین کے اسم گرامی کے ساتھ مہمرہ ہی مرقوم ہے[1] لیکن مجمع الفصحا (مؤلفہ رضا قلی خان) میں متمرہ ہے، منتخب التواریخ کے انگریز مترجم جارج رینکنگ نے مجمع الفصحا کی سند پر مہمرہ ہی کو صحیح سمجھا ہے[2] لیکن اور تذکرہ نویسوں مثلاً مجمع النفائس، عرفات العاشقین، تحفۂ رعنا، اور مخزن الغرائب کے مؤلفوں نے مہمرہ ہی لکھا ہے، کسی تذکرہ نویس نے متمرہ یا مہمرہ کی تصریح نہیں کی ہے، البتہ نزہۃ الخواطر میں مولانا عبد الحی نے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین المہمردی البدایونی لکھا ہے[3] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمرہ کسی جگہ کا نام ہے، جہاں سے مولانا شہاب الدین کے والد بزرگوار یا ان کے آباؤ اجداد ہجرت کرکے ہندوستان آئے، اور بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے، یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مہمرہ کس ملک کا

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰، [2] رینکنگ جلد اول ص ۹۹، حواشی [3] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۹۶۔

قصبہ یا قریہ ہے، مُحمرہ (حائے حطی کے ساتھ) مکہ کے قریب ایک قریہ کا بھی نام ہے، مولانا شہاب الدین عربی کے بھی بہت بڑے عالم تھے، اگر اُن کی عربی دانی کی وجہ سے اُن کو عربی النسل قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ اُن کا خاندان مُحمرہ ہی سے آیا ہو،

اُن کے حالاتِ زندگی بہت زیادہ نہیں ملتے، امیر خسرو نے اُن کے متعلق جو خیالات جابجا ظاہر کئے ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر، بلکہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم ذی فضل بھی تھے، اور اپنی فلسفہ دانی اور حکمت کی وجہ سے بقراطِ وقت اور افلاطونِ زمانہ کہلاتے تھے، الٰہیات، طبعیات، ریاضیات، معقولات، اور منقولات سب میں ید طولیٰ حاصل تھا، فقہ میں "مبسوط" اور حکمت میں "اشارات" پر بڑا عبور تھا، اُن کے بارہ میں امیر خسرو اپنی مثنوی "ہشت بہشت" میں فرماتے ہیں،

چرخ چون راست کرد دستارش	بست عزّ الٰہی بہر تارش
گر کند سوئے آن عمامہ نظر	مشتری را فتد عمامہ ز سر
حکمتش داد از بس افزونی	ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ در حدِ کس	حدِ او ہم اِلٰہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام	رازِ مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک مرِ قلم	باز کردست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاس عقل برون	نقلیش از مقام نقل فزون
ورد مبسوط در پئے مشتش	صد اشارات در ہر انگشتش
ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست	دل او را بران توانائی ست

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۵) المہمروی کے بجائے المہمری ہونا چاہئے، شاید "و" کتابت کی غلطی سے بڑھ گیا ہو، کیونکہ عربی اور فارسی میں صرف یائے نسبت ہوتی ہے، واو نہیں ہوتا،

او چو ابر کرم بفرقِ جہان	زیر کان چون صدف کشادہ دہان[۱]

اعجازِ خسروی[۲] میں امیر خسرو کے کچھ خطوط مولانا شہاب الدین کے نام بھی ہیں، ان میں سے ایک عربی میں ہے، اور ایک خالص فارسی میں، جس میں عربی کا ایک لفظ بھی نہیں، عربی مکتوب میں مولینا شہاب الدین کو امام کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے، جس سے شاید امام العلماء والفضلاء مراد ہو،

فنِ شاعری میں بھی مولانا شہاب الدین کو درجۂ کمال حاصل تھا، عزۃ الکمال میں امیر خسرو نے ان کو "سلیمان ممالکِ سخن" کہا ہے، اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ لوگ اُن کے کلام کو دیوانہ وار سنتے ہیں، گرچہ انھوں نے اپنے کلام کو مدون نہیں کیا،

"شہاب الملت والدین کہ شہابِ فلک از آتشِ طبع او صد بار دیوان خود را سوختہ است کہ اگر آن سلیمان ممالک سخن را عزیمت جمع کردن، دیوان بودے این سمے را جان رفتہ در تن حاضر گردیدے وامرأ القیس چون قیس مجنون گشتے ہر شعر بلند شہابے آسمانے است بر کواکب و خلقی دیوانہ، آن بیضے شیاطین می نہند و استراقے می کنند، از سرقہ ایشان خدائے نگاہ دارد"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں:-

"..........مولانا شہاب الحق والدین ...... آن شہاب ثاقب کہ در لطافت طبع آتش پارہ ایست در دل شب روشن از انوار غیب خبر آرد و صد ہزار انجمن ما گرم دارد تا جہانے از و مقتبس گردد"

ہشت بہشت میں مولانا شہاب الدین کی شاعری کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں، اور اُن کو عربی زبان کے مشہور شعراء بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے، اور غایت تعریف میں فرمایا ہے کہ مولانا شہاب کے اشعار خانۂ کعبہ کے بجائے بہشت میں آویزاں کئے جانے کے لائق ہیں، امیر خسرو کی گلفشانی ملاحظہ ہو،

[۱] مثنوی ہشت بہشت، مطبوعہ علی گڈھ، انسٹی ٹیوٹ پریس ص ۲۲۶ [۲] اعجاز خسروی نولکشور پریس رسالۂ ثانیہ ۱۶۸-۱۰۳

او شہاب دول ونیش زا خبار   نیترین مشارق الانوار

از تمام فنون وفضل تمام   غیرت بحتری و بوتمام

گاہ تحریر گر بہ بیت عتیق   یافت اشعار با زبان تعلیق

شعر او را کہ مطلع نورست

جاے تعلیق بیت معمور است

کسی تذکرہ نویس نے اس ہمگیر علم وادب کی ولادت و وفات کا سنہ نہیں لکھا ہے، ابھی حال ہی میں ڈاکٹر اقبال حسین نے اپنی کتاب (Early Persian Poets of India) میں امیر خسرو کے دیباچہ غرۃ الکمال کے حسب ذیل فقرہ

مولانا شہاب الدین مہرہ و مولانا بہاء الدین بخاری کہ ہر یکے بستان علم را بلبلے بودہ اند۔

سے یہ قیاس کیا ہے کہ وہ غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھنے یعنی ٦٩٥ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، میرے پیش نظر غرۃ الکمال کا ایک کرم خوردہ نسخہ ہے، جس کے بعض اوراق جا بجا پھٹ گئے ہیں، اس لئے اس فقرہ پر نظر نہیں پڑی، لیکن ڈاکٹر اقبال حسین نے امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت سے بعض ایسے اشعار بھی نقل کئے ہیں جن میں امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کیا ہے، ان ہی اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے مثنوی ہشت بہشت کو بہ نظر اصلاح دیکھا تھا، ہشت بہشت ٧٠١ھ میں لکھی گئی ہے، اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا شہاب الدین ٧٠١ھ تک بقید حیات تھے، اُن کی تاریخ ولادت تو معلوم نہیں لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں انکا ایک قصیدہ نقل کیا ہے جو انھوں نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، یہ سلطان ٦٣٣ھ کے اخیر میں کل چھ سات مہینہ کے لئے تخت پر بیٹھا، ظاہر ہے کہ قصیدہ پیش کرتے

وقت مولانا شہاب الدین کی عمر کم از کم پندرہ سال کی ہوگی، اس حساب سے وہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں پیدا ہوئے ہوں گے، مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح کے وقت ان کی عمر اسی اور نوے کے درمیان ہوگی، امیر خسرو کا سن اس مثنوی کے قلمبند کرتے وقت پچاس سال کا تھا، ظاہر ہے کہ امیر خسرو نے ادب و احترام کا اظہار کرنے میں مولانا شہاب الدین کے سن و سال کی بزرگی اور اُن کے علم و فضل دونوں کا لحاظ رکھا ہوگا،

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بناء پر یہ قیاس ہوتا ہے کہ مولانا شہاب الدین نے سلطان رکن الدین کی خدمت میں اپنی سن کمسنی کے زمانہ میں حسب ذیل قصیدہ پیش کیا، اس میں ۱۸ اشعار ہیں، ہر شعر میں کرگ (گینڈا) گرگ (بھیڑیا) پیل اور شیر کے الفاظ لائے گئے ہیں، اور ان ہی چاروں الفاظ کی رعایت سے پورے قصیدہ میں صنعت گری کی گئی ہے، مولانا شہاب الدین نے اس کمسنی میں اس غیر معمولی قادر الکلامی اور جدت طرازی کا جو اظہار کیا وہ گویا اُن کے بحر العلوم ہونے کا پیش خیمہ تھا، طوالت کے خیال سے ہم اس قصیدہ کے چند ہی اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں،

ہر زمان این کرگ و گرگ و فیل و شیر طفل خوار   آن کنند با من کہ پیل و کرگ وقت کارزار

آسمان پیل گون، الدہم را کرگ سان   روز گار شیر وش صبرم ربایند گرگ وار

زور کرگم نے و با من تند پیل آسمان   شیر مردے می کند چہ کہنہ گرگ روزگار

پیل با کرگ آن نکرد گرگ با میش انچہ کرد   شیر چرخ از جور با این شخص چون موے نزار

جلت و گرگ است دز و کرگ با شیر فلک   زان ہمیشہ بر دل من درد بار و پیل بار

سلطان کو مخاطب کرکے کہتے ہیں،

خسروا در مدح تو بر کرگ و گرگ و شیر و پیل   گشتہ ام نادر بامر صاحب چرخ اقتدار

پیل تن شیر افگن گرزت اگر خواہد بہ   گرگ را چون دم کرگس بر سر گردون قرار

آن وزیری کہ برائے گوشمال گرگ چرخ ‌ ‌ ‌ ‌ دل نہادہ ہمچو گرگ و پیل و شیر از اضطرار

آخر کے اشعار یہ ہیں :-

پیل بخشا در بداؤن بادم ویرانہ ‌ ‌ ‌ ‌ گرچہ جائے گرگ و کرگ و شیر باشد این دیار
تاکہ شیر و پیل باشد در مہابت ہم قدم ‌ ‌ ‌ ‌ تا کہ گرگ و کرگ باشد در کتابت یک شمار
خصم گرگ افسونت اے گرگ افگن و پیل استماد ‌ ‌ ‌ ‌ باد پیش شیر و ہیبت میان خاک خوار
ہمچو شیر و پیل و گرگ و کرگ در گرما ہما ‌ ‌ ‌ ‌ دشمنان بے جان شدہ بر آخرین قطار

اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مجمع النفائس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"چنین قصیدہ گفتن بالقوہ دیگرے نیست"

اور یہ رائے صحیح ہے گو آج کل کے ارباب ذوق کے لئے لزوم مالا یلزم کی مذکورۂ بالا مشکل صنعت میں کوئی شاعرانہ دلکشی نہیں ،

کسی اور سلطان کی مدح میں اُن کے کسی اور قصیدہ کا کہیں ذکر نہیں ، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ بادشاہوں کی منادمت پسند نہیں کرتے تھے ، اور جب اُن کے علمی کمالات کی شہرت ہر طرف پھیلی ، تو ارباب علم خود اُن کے گرد جمع ہوگئے ، اور وہ سرچشمۂ فیض بن کر سب کو سیراب کرتے رہے ، اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی جو امیر خسرو اور حسن سجزی کا سرپرست بھی رہا ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے[۱] سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مؤلف حضرت مولنا ضیاء الدین نخشبی بھی اُن کے شاگردوں میں تھے[۲] امیر خسرو نے اپنی غیر معمولی خداداد استعداد و صلاحیت کی بنا پر کسی کو اپنا استاد بنانا پسند نہیں کیا ، شروع میں بطور خود کہتے رہے ، پھر کسی استاد سے مشورہ لینے کے بجائے اساتذہ کے دواوین کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے ، لیکن جب سخنوری د

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۰ ، [۲] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۲۹ ،

زمزمہ سنجی کے شباب پر پہونچے ، تو مولینا شہاب الدین کو اپنا کلام دکھانے لگے ، جو مولانا شہاب کی علمی و ادبی فضیلت کا سب سے بڑا ثبوت ہے اپنی مشہور و معروف مثنوی ہشت بہشت کے خاتمہ میں امیر خسرو نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہے ، چنانچہ فرماتے ہیں ،

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش ‌ ‌ ‌ ‌ او بہ اصلاح راندہ خامۂ خویش
دیدہ ہر نکتہ را قسم برقم ‌ ‌ ‌ ‌ رنج بر خود نہادہ وقت ہم
نظر تیز کردہ موے شگاف ‌ ‌ ‌ ‌ نے بعمیا نظارۂ گزاف

امیر خسرو کا بیان ہے کہ مولانا شہاب نے دشمن بن کر اس مثنوی کی غلطیاں دیکھیں ، گو دوستوں کی طرح اس کو پسند بھی کیا ،

گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ ‌ ‌ ‌ ‌ لیکن از چشم دشمنان دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود ‌ ‌ ‌ ‌ دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چو دشمنان درین دفتر ‌ ‌ ‌ ‌ تا ہمہ عیب آیدش بہ نظر
چون ہمہ عیب دید دشمن وار ‌ ‌ ‌ ‌ شست چوں دوستان آئینہ دار
کلک او تیر راست داگماشت ‌ ‌ ‌ ‌ کہ درین روضہ آہوے نگذاشت

پھر بڑی صفائی سے اقرار کرتے ہیں کہ

شمع من یافتہ ضیا از وے ‌ ‌ ‌ ‌ مس من گشتہ کیمیا از وے

امیر خسرو مولانا شہاب کی بتائی ہوئی غلطیوں کو ادب سے قبول کرتے تھے ، کہتے ہیں ،

ہرچہ او گفت من نہادم گوش ‌ ‌ ‌ ‌ بر کشیدم مگس ز شربت نوش
وانچہ نبود دو من بجستم سے ‌ ‌ ‌ ‌ عیب آن بر من است نے بر وے
گر بماندہ ز تشنہ اش جائے ‌ ‌ ‌ ‌ بے خسے نیست ہیچ دریاے

ان اشعار کی بنا پر مولانا شبلی لکھتے ہین کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان اُن کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی، وہان استاد کی راے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے، ع :-

عیب آن بر من است نہ بروے

آخری اشعار مین بھی مولانا شہاب الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی مثنوی کو ختم کر دیتے ہین،

صد ہزار آفرین بر آن دل پاک — کہ برون برد زین چمن خاشاک

انچہ او دید تا نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہان — ہم نہان داردش خداے جہان

یارب او چون ز نسخ نامۂ من — بردہ بیرون خطائے خامۂ من

نامۂ او کہ حرز جانش باد — در قیامت خط امانش باد

ان اشعار کو پڑھ کر یہ کہنے مین تامل نہین کہ خود امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو اپنا مشفق استاد تسلیم کیا ہے، امیر غالباً اپنا کلام برابر مولانا شہاب الدین ہی کو دکھاتے رہے ہون، اسی وجہ سے کہا ہے،

شمع من یافتہ ضیا از وے — مس من گشتہ کیمیا از وے

چنانچہ شبلی رقمطراز ہین کہ کیا عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کے دامن تربیت مین خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہو، آج اس کا نام و نشان تک معلوم نہین،[۵]

لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ریڈر شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی) اپنی محققانہ اور فاضلانہ کتاب

[۵] شعر العجم حصہ دوم ص ۱۳۵،

دی لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو مین مولانا شہاب الدین مہمرہ کو امیر خسرو کا استاد تسلیم نہین کیا ہے، چنانچہ کتاب کے دیباچہ مین شہاب مہمرہ یا متمرہ کا ذکر کیا ہے لیکن اُن کی استادی اور امیر خسرو کے تلمذ کی کوئی تصریح نہین کی ہے، بلکہ ایک اچھا شاعر کہکر ان کا ذکر ختم کر دیا ہے، پھر اس کتاب کے ص ۲۳ کے حاشیہ مین لکھتے ہین کہ مولانا شبلی نے شعر العجم مین یہ لکھا ہے، کہ خسرو مولانا شہاب الدین کے شاگرد ہو گئے تھے لیکن وہ (مولانا شبلی) اس غلط نتیجہ پر خسرو کے بعض ان اشعار کی بنا پر پہونچے ہین، جو انھون نے مولانا شہاب کے متعلق کہے ہین، آگے چل کر ص ۲۳۳ پر علاء الدین خلجی کے عہد کے شعراء کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین ان مین سے بہت سے شعراء صاحب دیوان بھی ہوئے یعنی انھون نے اپنے کلام کے مجموعے مرتب کئے، اُن مین سے ایک شہاب الدین[۱] بھی تھے جن کی تعریف خسرو نے خاص طور پر کی ہے، اور اُن کو عربی زبان کا عالم بھی بتایا ہے، اور متعدد بار اُن سے اپنی شعر و شاعری سے متعلق مشورے بھی کئے ہین لیکن ہم تک اُن کی کوئی تصنیف نہین پہنچی ہے، اس لئے اُن کی شخصیت کا پتہ چلانا مشکل ہے، اس تحریر پر ڈاکٹر صاحب کا یہ حاشیہ ہے کہ یہ غالباً وہی ہین جن کو برنی اور فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء مین شہاب صدر نشین لکھا ہے، لیکن اُن کے بارہ مین کچھ بھی معلوم نہین، خسرو اُن کو اکثر امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہی شہاب الدین تھے جو نظام الدین اولیاء کے امام تھے، (سیر الاولیاء ص ۲۹۰، ۲۹۲) لیکن وہ کوئی مشہور شاعر نہ تھے حضرت نظام الدین اولیاء کے معاصرون مین اجودھن کے خواجہ فرید کے صاحبزادے کا اسم گرامی بھی شہاب الدین ہی تھا، (سیر الاولیاء ص ۱۸۶-۱۸۸) پھر ص ۱۵۹ اور ۲۰۳ پر مولانا شہاب الدین کا ذکر امیر خسرو کے دوستون مین کیا ہے، ص ۲۰۳ پر امیر خسرو ہی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہین، کہ مثنوی ہشت بہشت پر ان کے دوست شہاب الدین نے نظر ثانی کی، جو بہت بڑے عالم تھے (ص ۲۱۰) پر اُن کو امیر خسرو کا سرپرست بھی لکھا ہے،

[۱] امیر خسرو کا بیان ہے کہ شہاب الدین نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا،

ڈاکٹر صاحب امیر خسرو سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے مین شاید کچھ ایسے مشغول رہے کہ وہ مولانا شہاب الدین کے بارہ مین زیادہ چھان بین نہ کر سکے، ورنہ وہ بھی اسی نیتجہ پر پہونچتے کہ دراصل شہاب الدین مہمرہ ہی مولانا شہاب الدین تھے، ڈاکٹر صاحب نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ خسرو نے شہاب الدین مہمرہ کی تقلید مین بھی بعض قصائد کہے ہین، اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ایک شاعر شہاب الدین سے متعدد بار امیر خسرو نے شاعری کے متعلق مشورہ بھی کیا، اسی شاعر کو امیر خسرو کا سرپرست بھی تسلیم کر لیا ہے، پھر جس شہاب الدین کا ذکر بار بار کیا ہے اس کو شہاب الدین مہمرہ تسلیم کرنے اور امیر خسرو کا استاد ماننے مین عذر کیون ہے، مولانا شہاب الدین مہمرہ اپنے علمی و ادبی پایہ کی وجہ سے اپنے عہد کے غالباً تمام شعرا کے استاد تھے، اسی لئے فرشتہ نے عہد علائی کے شعراء کی فہرست مین شہاب الدین صدر نشین کے لقب سے یاد کیا ہے[۱]، ملا عبد القادر بدایونی نے ان کو استاد الشعراء لکھا ہے[۲]، ڈاکٹر اقبال حسین (لکچرر پٹنہ یونیورسٹی) نے بھی ان کو اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء" مین امیر خسرو کا استاد ہی تسلیم کر کے اُن کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے،

ایسے باکمال شاعر پر گمنامی کا پردہ پڑا رہنا تعجب انگیز ہے، اس کے متعدد اسباب ہین (۱) ایک تو یہ کہ وہ شاہی دربار سے مستقل طور پر وابستہ نہین ہوئے، اور عام طور سے مورخون اور تذکرہ نویسون نے ان ہی شعراء کو زیادہ اچھالا ہے، جو دربار سے متعلق تھے (۲) دوسرے شہاب الدین مہمرہ نے اپنے کلام کا مجموعہ مرتب نہین کیا، جیسا کہ اوپر ہم امیر خسرو کے ایک بیان مین واضح کر چکے ہین، گو اُن کا منتشر اور متفرق کلام ہر زمانہ مین شوق سے پڑھا گیا، گیارھوین صدی ہجری مین تقی اوحدی مؤلف عرفات العاشقین نے اُن کے تقریباً تین ہزار بکھرے ہوئے اشعار جمع کئے، اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کے عہد مین بھی تمام ارباب نظر مولانا شہاب مہمرہ کو اساتذۂ فن مین شمار کرتے تھے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہین،

"گویند وے از شعرائے بزرگوار سواد ہندوستان است و این صحیح است"

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲، [۲] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۷،

مولانا شہاب کے گمنام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب امیر خسرو کی شاعری کا آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو اور تمام شعراء ستارون کی طرح ماند پڑ گئے، منتخب التواریخ مین مولانا عبد القادر مولانا شہاب مہمرہ کے ذکر مین فرماتے ہین،

"چون کلام متقدمین بعد از ظہور کوکبۂ خسرو شاعران حکم وجود ستارہا در وقت ارتفاع اعلام نیر اعظم پیدا کردہ، و مانند سبعیات ہنگام نزول وحی منزل بر خیر البشر و سید عالم علیہ السلام در پردۂ تواری ماندہ، ازانہا کم می گویند و می نویسند، بلکہ نمی نمایند"

(جلد اول ص ۱۰۷،)

تذکرہ نویس اور مورخین امیر خسرو کے ساتھ حسن سجزی کے کلام کا تو ذکر کرتے ہین لیکن ارباب کمال کی شاعری مین اُن کو کچھ ایسی لذت و کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اس عہد کے بقیہ اور تمام شعراء کو وہ نظر انداز کر دیتے ہین، ملا عبد القادر امیر خسرو و میر حسن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہین :-

"دران عہد اگرچہ شعرائے دیگر صاحب ردادین بودہ اند، امّا با وجود این دو بزرگوار ذکر آنہا خوش نمی آید ع :-

چون آفتاب بر آید ستارہا عدم است"[۱]

لیکن درحقیقت مولانا شہاب مہمرہ کی حیثیت ایک ستارہ کی نہ تھی، خود ملا عبد القادر بدایونی نے اُن کو

"شہسوار میدان بلاغت اور استاد الشعراء"

کہا ہے، امیر خسرو نے نہ صرف شاعرانہ انداز مین اُن کے ادبی و علمی کمالات کی مدح سرائی کی ہے بلکہ جس طرح انھون نے خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی کے تتبع مین قصائد کہے، اسی طرح مولانا شہاب مہمرہ کی تقلید مین بھی قصیدہ کہہ کر ان کو اساتذۂ فن مین شمار کیا ہے، امیر خسرو کا ایک مشہور شعر یہ ہے،

---

[۱] منتخب التواریخ جلد اول ص ۱۰۲، ایضاً ص ۱۷،

در بداوَن مہمرہ سرمست برخیز د ز خواب گر برآید غلغلہ مرغانِ دہلی زین نوا[1]

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امیر خسرو نے مولانا شہاب الدین کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، جہانگیر کے زمانہ میں میر عضد الدولہ نے فرہنگ جہانگیری لکھی، تو اس مین اور اساتذہ کی طرح مولانا شہاب کے بھی اشعار جا بجا سند مین پیش کئے،

عرفات العاشقین کا مؤلف مولانا شہاب کی تعریف مین رطب اللسان ہے،

"شاہ سخن پرداز یست کہ در عرصہ فکرت رایقان سمند معنی را پیادہ رُخ برُخ نہادے یل در شطرنج مقاومت ذیل فرزین طرح دادی"

مجمع النفائس کے مؤلف سراج الدین علی خان آرزو نے بھی تسلیم کیا کہ

"وی (یعنی شہاب الدین مہمرہ) از شعرائے بزرگ ہندوستان است"

موجودہ دور کے اہلِ قلم مین پروفیسر عبد الغنی نے اپنی انگریزی کتاب "پری مغل پرشین ان ہندوستان" مین لکھا ہے کہ شہاب الدین مہمرہ کے قصائد ایران کے سربرآوردہ شعراء فرخی، خاقانی، انوری وغیرہ کے ہم پلہ ہین، یہ راے اس لحاظ سے بے شک قابل قبول ہے کہ مولانا شہاب الدین مہمرہ ان باکمال شعراء ہی کی طرح قادر الکلام تھے، گو مولانا کے طرزِ ادا اور اسلوب بیان کی نوعیت ان شعراء سے مختلف تھی، البتہ پروفیسر موصوف کی اس راے سے پورا اتفاق ہے کہ مہمرہ کے قصائد اس بات کا بہترین ثبوت ہین کہ ہندوستان کے اربابِ فن نے فارسی ادب کو کس طرح فروغ دیا،

مولانا شہاب الدین کے زیادہ سے زیادہ اشعار منتخب التواریخ اور عرفات العاشقین مین نظر سے گذرے، کچھ اشعار مجمع النفائس، خلاصۃ الاشعار اور مخزن الغرائب مین بھی ہین، ان ہی نمونون کو دیکھکر ہم اُن کے کلام پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہین،

---

[1] منتخب التواریخ جلد اول ص ۷۰.

مولانا شہاب مہمرہ کی قصیدہ نگاری مین بعض بالکل ہی نئی باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ بعض وقت تین چار الفاظ لے لیتے ہین، اور اُن کو ہر شعر مین دہراکر قصیدہ نگاری کی لفظی صنعت کا کمال دکھاتے ہین، اور اس مشکل صنعت کے ساتھ قصیدہ کی فصاحت و بلاغت مین فرق نہین آنے پاتا، بلکہ اُن کی جدتِ طبع لطفِ زبان اور اندازِ بیان مین یکسان لطف حاصل ہوتا ہے، تقی اوحدی نے عرفات العاشقین مین ان کے اس وصف کی داد اس طرح دی ہے :-

"در شعر وے صنائع و بدائع و بسیار فصاحت و بلاغت بے شمار است و در اکثر قصائد التزامات مشکلہ غریبہ مکرر نمودہ، و نہایت قدرت بصد ظہور رسانیدہ"

اس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے اسی طرح کا ایک اور قصیدہ حمد و نعت مین کہا گیا ہے، اس مین "مور" اور "موے" کے الفاظ ہر شعر مین آئے ہین، کچھ اشعار ناظرین کی ضیافت کے لئے پیش کئے جاتے ہین،

از زبانِ گرچہ تنگا فم موے ہنگام بیان
در ثناے حق ز حیرت ہمچو مورم بے زبان

در پئے زنجیر مویان پریدہ از ہوس
بستہ ام بسیار چون مور زان دل جان بر میان

در براے مور چشمان شکر لب در خیال
سفتہ ام موے سخن صدرہ ز دوے امتحان

تا ذخیرہ باشدم چون مور اندر مدح او
مو و نیمہ کردم و یک مو ندیداز کس نشان

بعد ازین چون مور بندم بر در بیچون کمر
وز تُن ہر موے تو فیقش کشایم صد زبان

پورا قصیدہ عرفات العاشقین مین درج ہے، جس مین تقریبًا ۵۰ اشعار ہین، منتخب التواریخ جلد اول (ص ۶۹، ۷۰) مین بھی یہ قصیدہ ملے گا، گر اس مین کچھ کم یعنی ۴۴ اشعار ہین،

اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لئے مولانا شہاب الدین ہر قصیدہ مین کوئی نہ کوئی جدت ضرور اختیار کرتے، چنانچہ مجمع النفائس کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"فضلائے عصر بود، در ہر قصیدہ طرز خاصے دارد، ...... قدرت او از آنہا معلوم میشود"

بعض قصائد ایسے بھی کہے ہین، جن مین خاص خاص حروف کے الفاظ مطلق استعمال نہین ہوئے ہین، مثلاً حسب ذیل قصیدہ کے ۴۳ اشعار کے کسی لفظ مین الف استعمال نہین ہوا ہے، طوالت کے خیال سے ہم پورے قصیدہ کو نقل کرنے سے قاصر ہین، اس لئے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

منہ بہ برگ سمن پیش لالہ و عنبر   زمشک سودہ مگس کرد نسترن چنبر
ببند حقہ لب زرشتہ لولو   بپوش تختہ نقرہ بہ حلقہ عنبر
محیط دولت گردون وپیش نفس   چو رود خشک شود فیض دجلہ کوثر
چو چوب عود بسوزد سپہر مجمرہ شکل   زکوزہ سخطش گر جہد بکینہ شرر
زشرم کو ہر لفظ تو در دل معدن   نشستہ صد عرق شرم بر رخ گوہر

اسی صنعت مین سلطان رکن الدین کے دربار کے ایک امیر بہاء الدین کی شان مین بھی ایک قصیدہ ذ اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

زہے چو مہر بجود وکرم شدہ مشہور   علوی قدر تو برتر زگنبد معمور
نسیم خلق تو در حد شش جہت موصوف   بلند حیثیت تو در بزم زفلک مشہور
محیط علم و خرد ہم بہار دین کز تو   حدیث خلق حسن گشت در زمین کور
نسیم طبع تو بر حرف معدلت موقوف   محیط کف تو بر فیض مکرمت مقصور
ز قدر تست منظم نمود مسند ملک   ز ذر تست مقدس شدہ تجلی طور
مطیع حکم تو در شرق و غرب ترک و عرب   ز این عدل تو در بحر و بر وحوش طیور
چو کرد گنج گہر خط جود تو موصوف   چو بخت و عقل بہر بقعہ سعی تو مشکور
تو بے نظیر بہ بعد لی و کس نہ بیند نیز   عدیل عدل تو ہرگز نگہ بر ذرنشود

ہندوستان مین اس قسم کے قصائد مصنوع کے لکھنے کا سہرا مولانا شہاب الدین ہی کے سر ہے،

خلاصۃ الاشعار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اُن کے قصائد مصنوع ایران کے حکیم ابو علی جانی کے قصائد کے ہم پلہ قرار دیئے جا سکتے ہین،

ہندوستان کے شعراء مین حمد و نعت مین قصائد کہنے کی اولیت بھی غالباً مولانا شہاب ہی کو حاصل ہو[1] ان سے پہلے شعراء سلاطین، وزراء اور امراء کی مدح سرائی مین قصیدہ نگاری کا سارا زور صرف کرتے تھے، لیکن مولانا شہاب نے حمد و نعت مین قصائد کہہ کر اس صنعت شاعری مین مذہبی رنگ بھی پیدا کیا، حمد کے کچھ اشعار ہم پہلے نقل کر چکے ہین، اب ایک طویل نعتیہ قصیدہ کے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہین،

شہ تخت کن محمد کہ سرادق شرف زد   بسوے در یمین، از سراے ام ہانی
بشرے ملک لطافت فلکی زمین تواضع   چو فلک بہ پاک جسمی چو ملک بپاک جانی
گہرے کہ بود جایش بخزانۂ الٰہی   قمرے کہ تافت نورش زسپہر جاودانی
گہرے کہ قیمتی تر ز وجود او نیاید   بہ دلالت عناصر زمحیط آسمانی
قمرے کہ ہر سحرگہ چو شب سیاہ گیتی   زخجالت عقیقش زرخ کوکب یمانی
شکرین زبان رسولے کہ بود نجات امت   بہ عقیدہ[2] زبانش زعقیلۂ زبانی
گہرین بیان فصیحے کہ فصاحت بیانش   چو ضمیر کان کند خون دل گنج شایگانی
زجمال عارضش کم رخ آفتاب شرقی   ز قوام قامتش خم قد سرو بوستانی
بہ حساب بر گرفتہ رہ مالک الرقابی   بہ کلام بر گشادہ در صاحب القرانی

---

[1] ڈاکٹر اقبال حسین رقمطراز ہین، "ابو الفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے قصائد شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ، شہاب سے پہلے ہندوستانی شعراء کے کلام کا غور سے مطالعہ کر جاؤ، تم کو ایک قصیدہ بھی حمد یا نعت مین نہین ملے گا" (ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء ص ۱۶۷) [2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۴، مین کی ہے، جو کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

جذباتِ شوقِ باطن بکاشفت کشیدہ　　زبسیط کائناتش بمحیط لامکانی

اس کے بعد خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ (ابن ابوقحافہ) حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا بھی ذکر ہے، جس مین تھوڑی سی اُن کی منقبت بھی آگئی ہے،

بنوید دوست جانش شدہ مست برامیدش　　پسر ابوقحافہ زدہ تحفہ دوستگانی

ربطی بنا فگندہ سخنش قضائے حق را　　شدہ از پئے سیاست عمرش بعدل بانی

قدم سیوم ورین رہ بپیش نہادہ مردے　　کہ زدغرور راہش بہ متاع این جہانی

شدہ رکن چارمینش علی آنکہ بدگہ کین　　زشعاع ذوالفقارش رخ مہر زعفرانی

ملکا بحق یاران کہ عرابہ یادمی خود　　زبلاے یار ناداں ہمہ عمر رہانی

زمین آنکہ این قصیدہ طلبیدہ بادجانش

چو قصیدہ ام مزین بجواہر معانی

پورے قصیدہ مین بلاغت بھی ہے، اور فصاحت بھی، الفاظ کے دروبست سے قصیدہ مین بڑی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، شاید مولانا شہاب کے اسی قسم کے کلام کو دیکھ کر مخزن الغرائب کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"او فاضل وقت خود بود وطبع موزون وشعرے چون درمکنون داشت"[1]

ان قوافی کی دل آویزی سے متاثر ہو کر امیر خسرو نے اپنے استاد کے شاید تتبع مین ایک رنگین غزل لکھی ہے، گو اس کی بحر مختلف ہے، ناظرین بھی اس غزل کے دو چار شعر سے لطف اٹھائین،

بہم از جمال ساقی زشراب ارغوانی　　کہ بیار تشنہ ام من بہ آب زندگانی

تن من چو موم از آتش بگداخت در فراقت　　بدلے چو سنگ خارا تو ہنوز ہمچنانی

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ورق ۱۵۲،

چو نوید عشق دادی دل مردہ زندہ گردد　　کہ غذاے روح باشد غم دوستان جانی

مشواز صبا مشوش زنفیر دردمندان　　چو ز غائبان مجلس خبرے بما رسانی

امیر خسرو اور عمید الدین سنامی نے غالبًا اپنے استاد مولانا شہاب کے تتبع مین حمد و نعت مین بہت سے قصائد کہے ہین، جن کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا،

حمد و نعت مین تصوف کے مسائل کا آنا ناگزیر ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ مولانا شہاب کے قصائد مین صوفیانہ رنگ بھی لامحالہ پیدا ہو گیا، جس کی بنا پر ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہے کہ مولانا شہاب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھون نے قصائد کو تصوف سے روشناس کیا، لیکن ہمکو مولانا شہاب کا کوئی ایسا قصیدہ نہین ملا، جس مین انھون نے تصوف کے معارف وحقائق کا مستقل ذکر کیا ہو، البتہ ان کے حمد و نعت کے قصائد سے اُن کے صوفیانہ جذبات کا ضرور اظہار ہوتا ہے، پروفیسر عبد الغنی رقمطراز ہین کہ مولینا شہاب کے جو اشعار تذکرون مین پائے جاتے ہین، ان مین زیادہ تر اخلاقیات اور روحانیات کا درس ہے، جو اپنے تخیلات کی رفعت اور اسلوب بیان کی شوکت وجزالت کے لحاظ سے بے مثل ہین، اور یہی قصیدہ گوئی کے محاسن ہین، تصوف کا اخلاق و روحانیت سے گہرا تعلق ہے، اس لئے مولانا شہاب کے کلام مین اخلاق و روحانیت کا عنصر بھی ہے، لہذا پروفیسر عبد الغنی نے جو کچھ کہا ہے، اس کو تسلیم کرنے مین کوئی تامل نہین، البتہ مولانا شہاب کا سارا کلام دستیاب ہو جاتا، تو اور بھی وثوق کیساتھ اس راے سے اتفاق کیا جاسکتا تھا، کیونکہ مولانا شہاب کے علم و فضل سے توقع بھی یہی کی جاسکتی ہے کہ انھون نے شاعری کو محض ذریعۂ تفریح نہین بنایا ہوگا، بلکہ خوشامد اور مداحی سے الگ ہوکر عشق حقیقی کی آگ سے دل کو گرمانے اور پند و موعظت سے اخلاق کو منوانے کی بھی کوشش کی ہوگی،

لیکن پروفیسر عبد الغنی نے نہ جانے یہ بات کیسے لکھ دی کہ عرفی نے ہندوستان آنے پر شہاب کے طرز نگارش اور تخیلی رجحان کا تتبع کیا، وہ یہ بھی لکھتے ہین، کہ مہمرہ کے قصائد مین جو زندگی کے مقاصد

نصب العین، اور ذہن کی توانائیاں ہیں وہ عرفی کے قصائد میں بھی بکثرت ہیں، جس نے ہمرہ ہی کی طرح لمبے لمبے قصائد لکھے، یہ تو صحیح ہے کہ عرفی کے بعض قصائد ہمرہ ہی کی طرح طویل ہیں، لیکن طرزِ نگارش اور تخیلی رجحان میں دونوں کا موازنہ کرنا ایک بیکار سی بات ہے، جہان تک زورِ کلام اور طرزِ ادا کی جدت کا تعلق ہے، شہاب اور عرفی میں تھوڑا سا موازنہ ہو سکتا ہے، گو ان کی بھی نوعیت بالکل جدا اور مختلف ہے، عرفی نے اپنے مضامین کے زور اور اسلوبِ بیان کے اچھوتے پن میں الفاظ کی شان و شوکت، بندش کی چستی، خیالات کی رفعت، استعارات اور تشبیہات کی طرفگی، اور فصاحت و بلاغت کا ایسا زور شور دکھلایا کہ وہ ایک طرزِ خاص کا موجد بن گیا، جس سے مولانا شہاب کے قصائد کو کوئی مناسبت نہیں، مولانا شہاب اپنے عہد کے مسلّم الثبوت استاد ضرور تھے جیسا کہ ہم پہلے دکھلا چکے ہیں، لیکن بقول پروفیسر محمود شیرانی مرحوم "شہاب کا انداز، علمیت، سنگلاخ زمین، صنعت لزوم مالایلزم و دیگر صنائع ہیں، یہ رنگ جو زیادہ تر جھٹی ساتویں صدی میں مرغوب طبائع تھا، دسوین صدی میں عرفی اور اس کے معاصرین کو کیون پسند آنے لگا؟"[۱]

پروفیسر عبد الغنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمرہ کے کردار کی شرافت اور دنیا سے بے نیازی نے اُن کو سلاطین کے سامنے جھکنے سے باز رکھا، اس لئے محض روپیہ کی خاطر انھون نے کسی کی مداحی نہیں کی، صحیح ہے گو مولانا شہاب نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ اور اس کے بعض درباری امرا کی شان میں کچھ قصیدے ضرور کہے، لیکن یہ قصائد اُن کی کم عمری کے زمانہ کے ہیں، اُن کے علم و فضل کے شہرہ کے بعد واقعی اُن کی جبین نیاز کسی کے آستانہ پر نہیں جھکی، مگر پروفیسر موصوف کا یہ بیان بھی تعجب انگیز ہے کہ گو عرفی ہندوستان دولت کی تلاش ہی میں آیا، لیکن شہاب ہمرہ کی طرح اس نے قصیدہ گوئی کو اپنا پیشہ نہیں بنایا، اور نہ انعام کی تلاش میں وہ سلاطین و امرا کے درباروں کا مشتاق رہا، پروفیسر موصوف نے حاشیہ میں خود

[۱] رسالہ اردو جنوری ۳۳ء،

یہ بھی لکھا ہے کہ عرفی نے شہزادہ سلیم (جہانگیر)، حکیم ابو الفتح، عبد الرحیم خانخانان اور اکبر کی شان میں قصیدے کہے، جن کی سرپرستی نے اس کو دوسرون سے بے نیاز کر دیا، تو پھر اس کو دوسرے امرا و سلاطین کے دربار مین جانے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی تھی، یہ اور بات ہے اُس نے اپنے غرور، کم بینی اور خود ستائی میں مختلف درباروں کی ناصیہ سائی کا اظہار پسند نہیں کیا، یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدہ گوئی کو اچھا پیشہ بھی نہیں سمجھتا تھا،

ع قصیدہ کارِ ہوس پیشگان بود عرفی

لیکن پھر بھی وہ برابر قصیدے ہی کہتا رہا، اور اس کا نام آج تک اس کے قصیدون ہی کے بدولت روشن ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ اُس نے اپنے قصیدون میں ادنی درجہ کی مداحی اور چاپلوسی کا اظہار نہیں کیا ہے، بلکہ مضمون آفرینی اور نازک خیالی کے ساتھ بڑی خودداری کا ثبوت دیا ہے، اور بقول مولانا شبلی: "عرفی نے قصائد میں جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اس کی طرف عام خیالات کا میلان ہو گیا ہوتا، تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی"، (شعر العجم حصہ سوم ص ۱۱۴)

جہان تک قصیدہ گوئی سے اچھے کام کا مصرف لینے کا تعلق ہے، ہندوستانی شعرا میں یہ اولیت مولانا شہاب ہی کو حاصل ہے، کہ انھون نے قصیدہ کو حمد و نعت، اخلاق و تصوف سے روشناس کرکے اس صنف میں ایک نیا رنگ پیدا کیا، جس کو بعد کے شعرا نے چمکایا، اس لحاظ سے اس فن سے مذہبی، روحانی اور اخلاقی جذبات کے نشو و نما کا بھی کام لیا جانے لگا، اور اس کا سہرا مولانا شہاب ہی کے سر ہے، ڈاکٹر اقبال حسین نے اُن کے قصیدون پر عام تبصرہ کرتے ہوئے، بجا طور پر کہا ہے کہ اُن کے قصیدے اب موجودہ مذاق کے مطابق نہیں ہیں، لیکن جب یہ کہے گئے تو اس عہد کے تمام معاصرین نے ان کو عام طور پر پسند کیا، اور اس کی تقلید کرنے کی بھی کوشش کی، یہ اپنی جدت طرازی اور دوسرے محاسن کی وجہ سے صدیون تک مقبول رہے، ان میں تصنع ضرور ہے، لیکن مولانا شہاب نے اپنی جادوگری سے اس تصنع میں بھی شوکت اور رفعت پیدا کی، انھون نے ہر قصیدہ میں ایک نئی صنعت پیش کی، جو اُن کی غیر معمولی ذہنی صلاحیت کا ثبوت ہے،

ان کے قصیدے اُن کی قادر الکلامی، لفظی صناعی اور اختراع کے بہترین نمونے ہیں،...... جن کی بنا پر یہ بلا شک و شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں فارسی شاعری پر غیر معمولی طریقہ پر اثر انداز ہوئے اور آج بھی اپنی جدت طبع اور قصیدہ گوئی پر بے مثل مہارت رکھنے کی وجہ سے یاد رکھنے کے قابل ہیں،

اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا شہاب کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ہے، لیکن اس "سلیمان ممالک سخن" اور "غیرت بو تمام و بحتری" کی وفات بدایون میں ہوئی اور یہیں وہ پیوند خاک ہوئے، ان ہی کے پہلو میں اُن کے شاگرد حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی (المتوفی ۷۵۱ھ) کا مزار شریف ہے،[1]

---

[1] رسالہ برہان دہلی، نومبر ۱۹۵۸ء ہم جناب بشیر الحق صاحب دسنوی عظیم آبادی کے ممنون ہیں کہ انھوں نے خدا بخش خان لائبریری پٹنہ کے مختلف تذکروں سے اقتباسات نقل کرا کے بھیجے، جن سے اس حقیر مضمون کی تیاری میں بڑی مدد ملی، معارف کے ناظرین میں کوئی صاحب مولانا شہاب الدین مہمرہ سے متعلق کچھ اور مفید اور نئے معلومات فراہم کرنے کی زحمت گوارا کریں، تو ہم ان کے بھی بہت ممنون ہوں گے،

گل رعنا

یعنی

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے مجموعے، (از مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) (طبع چہارم)

"منیجر"

جنایات بوجہ غفلت

پانچواں باب

جنایت کا بالاشتراک ارتکاب

پہلی فصل کا خلاصہ

از ڈاکٹر محمد غوث ایم اے، پی ایچ، ڈی

(۴)

اس باب کی پہلی فصل میں جنایت کے بالاشتراک ارتکاب کی عام نوعیت مشخص کی گئی ہے، جنایت کا بالاشتراک ارتکاب اس وقت سمجھا جاتا ہے، جب کسی کام کے انجام دینے میں ایک سے زیادہ افراد پر احتیاط برتنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو، اگر یہ افراد ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہے ہوں، تو ان میں سے ہر شخص ذمہ دار قرار دیا جائے گا،[1] اور

"وہ سب افراد جو کسی مداخلت بے جا میں اعانت کریں، یا مشورہ یا ہدایت دیں، یا اشتراک کریں تو مشترکہ طور سے مداخلت بے جا کرنے والے قرار دیئے جائیں گے"[2]

بالاشتراک جنایت تین طریقوں سے صادر ہوتی ہے،

۱۔ مشترکہ فعل سے (۲) توسط یا واسطہ سے (۳) نیابتی طریقہ سے،

---

[1] لاز آف انگلینڈ جلد ۲۱ ف ۷۲۹، ص ۴۳۳ [2] کلرک اینڈ لنڈ سل آن ٹارٹس، ص ۵۹، ۱۹۲۱ء،

ان مین سے ہر طریقہ کی توضیح ذیل مین کی جاتی ہے،

(۱) چند اشخاص جب کسی فعل کو مل کر ایک ساتھ عمل مین لائین، تو وہ سب کے سب ذمہ دار قرار دیئے جائین گے، مثلاً دو آدمی مل کر ایک گاڑی کرایہ پر لین اور غفلت سے اس طرح چلائین، کہ کوئی حادثہ وقوع مین آجائے[1]

(۲) اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص .... کو جنایت کے ارتکاب کے لئے مقرر کرے یا اختیار دے، تو دونون مشترک طور سے بھی اور منفرداً بھی ذمہ دار ہون گے[2]،

(۳) بسا اوقات کسی وجہ سے کسی دوسرے شخص سے وقوع مین آئے ہوئے کسی خلاف قانون فعل کو ایک ایسے شخص کی جانب منسوب کر دیا جاتا ہے، جو در حقیقت اس فعل کا مرتکب نہیں ہوتا، مثلاً اگر ملازم سے دوران ملازمت مین کوئی جنایت صادر ہو تو آقا اور ملازم دونون مشترکہ طور سے اور انفراداً ذمہ دار ہون گے[3]،

ان سب امور پر علیحدہ فصلون مین بحث کی گئی ہے، نیابتی ذمہ داری کے مسئلہ پر مستقل باب مین بحث کی جائیگی،

دوسری فصل

جنایت بر بنائے فعل مشترک — اس فصل مین امور مندرجۂ ذیل پر روشنی ڈالی جائیگی،

۱۔ جو افراد مشترکہ طور سے کسی جنایت کے مرتکب ہون اُن کی ذمہ داری کی نوعیت،

۲۔ ہرجانہ کی رقم کا مشترکہ خاطیون کے درمیان بطور حصہ رسدی منقسم ہونا،

۳۔ مشترکہ خاطیون کی جنایت سے نقصان واقع ہو تو ہرجانہ دلانے مین زیادہ قصور کرنے والے

---

[1] سامنڈ، لاآف ٹارٹس، ص ۹۰، ۱۹۲۰ء [2] سامنڈ بموجب تعلیق گذشتہ ص ۹۰ [3] بموجب تعلیق نمبر ۳،

اور کم قصور کرنے والے کی حیثیت کا لحاظ،

۴۔ اگر مشترکہ جنایت مین کسی ایک شخص کے متعلق جنایت کا فیصلہ صادر ہو جائے، تو دوسرے شرکائے جنایت بری ہو جائین گے، یا نہین،

۵۔ مدعی ایک خاطی کو بری الذمہ کر دے، تو باقی خطا کار بری الذمہ ہو جائین گے، یا نہین،

(۱)

جو افراد مشترکہ طور سے کسی جنایت کے مرتکب ہون ان کی ذمہ داری،

قانون انگلستان کا اصول — جو افراد مشترکہ طور سے کسی جنایت کے مرتکب ہون، وہ انگلستان کے قانون کی رو سے بالاشتراک اور انفراداً پورے نقصان کے ذمہ دار ہون گے یعنی ضرر رسیدہ شخص مشترکہ خاطیون مین سے کسی ایک پر پورے نقصان کی نالش بھی دائر کر سکے گا، اور اگر چاہے تو سب خطا کارون پر مشترکہ طور سے بھی نالش کر سکتا ہے، اور اگر فیصلہ مین سب ذمہ دار قرار پائین تو اس کی تعمیل (پوری کی پوری) کسی ایک خطا کار پر ہو سکے گی[1]،

اسلامی فقہ کا اصول — مشترکہ طور سے جنایت کا وقوع اور اس کی وجہ سے مشترکہ ذمہ داری اور مشترکہ طور سے ہرجانہ کی ادائی یہ سب امور اسلامی فقہ مین بھی مسلم ہین،

"ان اشترك جماعة فی عمل وان تلف بہ شیئٌ فالضمان علیھم"[2]

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی جماعت کسی خلاف قانون فعل مین اشتراک عمل مین لائے اور اس کی وجہ سے کوئی اتلاف واقع ہو جائے تو ہرجانہ کی ذمہ داری سب پر عائد ہوگی،

فقہائے اسلام کی بیان کردہ مثالین — اس اصول کی وضاحت ذیل کی مثالون سے ہوگی،

---

[1] سامنڈ، لاآف ٹارٹس، ص ۹۷، ۱۹۲۰ء [2] موفق الدین ابن قدامہ کی المغنی ص ۵۵۰، جلد ۹ مطبوعہ قاہرہ،

الف: اگر اونٹ پر بوجھ لادا جائے اور اس سے کوئی چیز گر کر کسی کو ضرر پہونچائے جس سے وہ شخص فوت ہو جائے، یا کوئی شے راستہ مین گر جائے، اور کسی شخص کو اس سے ٹھوکر لگے، اور وہ زخمی ہو جائے، تو اونٹ کا قائد اس کا ذمہ دار ہوگا، اور اگر اس کے ساتھ کوئی سائق بھی ہو، تو ذمہ داری دونون پر عائد ہوگی، اس لئے کہ اس سے تحرز ممکن ہے، اور اونٹ پر جو بوجھ اس طرح لادا جا سکتا تھا کہ گرنے نہ پائے، اور جب بوجھ باندھنے مین قائد یا سائق سے قصور واقع ہو تبھی سامان گرتا ہے، اسی لئے اُن پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے،[۱]

ب: یا مثلاً کچھ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، ان مین سے ایک شخص اپنی کوئی کتاب وہان چھوڑ کر چلا گیا، اس کے بعد باقی لوگ بھی ایک ساتھ چلے گئے، اور کتاب ضائع ہو گئی، اس صورت مین ضمان کی ذمہ داری سب لوگون پر عائد ہو جائے گی، کیونکہ جو شخص کتاب چھوڑ کر چلا گیا تھا اسکی یہ خواہش تھی کہ دوسرے لوگ اس کی حفاظت کرین گے، مگر جب وہ لوگ کتاب چھوڑ کر چلے گئے، تو ان سے وہ حفاظت ترک ہو گئی، جو اُن پر ضروری تھی، اس لئے سب کے سب ذمہ دار ہون گے،[۲]

ان دونون مثالون سے یہ معلوم ہوا کہ اگر متعدد اشخاص ارتکاب جنایت مین سب مرتکبین ایک ہی جنایت کے لئے ذمہ دار ہون گے، اور ان دونون صورتون مین احتیاط برتنے کی ذمہ داری ایک سے زیادہ افراد پر عائد تھی جسے پوری کرنے مین وہ ناکام رہے،

کچھ اور مثالون سے اس اصول کی مزید تصریح بے محل نہ ہوگی،

الف: ایک شخص اونٹون کی ایک قطار عام راستہ پر کھینچے لئے جا رہا تھا، گویا قائد تھا، اگر ان مین سے کوئی اونٹ چاہے وہ قطار کی ابتدا کا ہو یا آخر کا کسی کی کوئی چیز روند دے تو اونٹون کا قائد اس کا ذمہ دار ہوگا، اور اگر اس کے ساتھ کوئی سائق بھی ہو تو دونون پر ذمہ داری ہوگی،

[۱] مبسوط سرخسی، ص ۵ جلد ۲۷، نیز فتاوی قاضی خان ص ۵۰۵ جلد ۳ [۲] قاضی خان فتاوی ص ۳۲۸ جلد ۴

ان دونون کی ذمہ داری اس لئے مشترک ہے کہ صدمہ یا حادثہ کے وقوع کے سبب مین بھی دونون کی حیثیت مساوی ہے۔

اس ذمہ داری کے استقرار کی وجہ یہ ہے کہ کسی راستہ سے اونٹون کو کھینچ کر لے جانا یا ہانکنا سواری کی طرح شرط سلامتی کے ساتھ مُباح ہے، اس لئے جس طرح سوار پر کسی شے کے اتلاف کی ذمہ داری ایسی صورت مین عائد ہو جاتی ہے کہ اس سے تحرز ممکن تھا اسی طرح قائد اور سائق بھی ذمہ دار ہون گے،

سوار، قائد اور سائق ہر ایک کی حیثیت یہ ہے کہ چوپایہ ان کے قابو مین ہوتا ہے، اس لئے اس کے چلانے یا ہانکنے مین ان امور سے بچنا ضروری ہے، جن سے تحرز ممکن ہو، اگر قائد کے ساتھ کوئی سائق قطار کے درمیان مین ہو اور کوئی سائق اس کے آخر مین تو تینون پر ایک ایک تہائی ذمہ داری عائد ہوگی،

جو شخص قطار کے درمیان مین ہے وہ گویا اپنے سامنے کے اونٹون کو ہانک رہا ہے اس پر اس بات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُن اونٹون کا جو اس کے پیچھے ہین قائد ہو، اس لئے ان امور سے اس کیلئے بچنا ضروری ہے، جن سے تحرز ممکن ہے،

جس طرح قائد اور سائق دونون ذمہ داری مین مساوی ہین، اسی طرح جو شخص کبھی قطار کے درمیان مین رہتا ہے، کبھی آگے چلتا ہے، اور کبھی پیچھے، وہ ہر صورت مین ذمہ دار ہوگا، کیونکہ ہر صورت مین وہ قائد ہوگا یا سائق،

لیکن اگر کوئی شخص قطار کے درمیان مین اونٹ پر سوار ہے، اور سائق کا کام انجام نہین دے رہا ہے، تو وہ اس صورت مین کہ جب کوئی حادثہ سامنے کے اونٹ کی وجہ سے وقوع مین آئے ذمہ دار نہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے آگے کے اونٹ کا سائق نہین ہے، اور اونٹون کو ہانکنے مین سائق سے زجر اور ضرب کے جو افعال عموماً صادر ہوتے ہین، وہ اس سوار سے صادر نہین ہوئے، البتہ یہ سوار قائد اور سائق

کے ساتھ ذمہ داری میں اس وقت شریک ہوگا، جب حادثہ اس اونٹ کی وجہ سے وقوع میں آیا ہو، جس پر یہ خود سوار ہو، اس اونٹ کی وجہ سے پیش آیا ہو، جو اس سوار کے بالکل پیچھے ہو، پہلی صورت میں اس لئے ذمہ دار ہوگا، کہ وہ خود نقصان پہنچانے والے اونٹ پر سوار ہے، اور سوار سائق اور قائد کے ساتھ ذمہ داری میں شریک ہے، اور دوسری صورت میں اس لئے ذمہ دار ہوگا کہ پیچھے کے اونٹ کی مہار اس کے اونٹ سے مربوط ہے، اور اس اونٹ کی مشی جس پر کوئی شخص سوار ہو، اسی کے ساتھ منسوب ہوتی ہے، اس بنا پر سوار اپنے پیچھے کے اونٹ کا قائد ہے،[1]

ب :- کسی متاجر نے چند اجیروں کو اپنی دیوار گرانے پر مامور کیا، اس کے گرانے میں اجیروں کے فعل سے ایک اجیر فوت ہوگیا، تو اس صورت میں ذمہ داری خود اجیروں پر عائد ہوگی، کیونکہ انہی کے کام کے دوران میں یہ اتلاف واقع ہوا،[2]

ج :- اگر تین آدمیوں نے منجنیق چلائی، جس سے ایک آدمی فوت ہوگیا، تو اس صورت میں یا متوفی خود منجنیق چلانے والوں میں سے ہوگا، یا کوئی دوسرا آدمی ہوگا، اگر دوسرا آدمی ہے تو ممکن ہے ان میں سے کسی نے متوفی کو قصداً نشانہ بنایا ہو، یا کسی جماعت کو نشانہ بنایا ہو، یا کسی کا قصد نہ کیا ہو اور متوفی اتفاقاً زد میں آگیا ہو، تو یہ صورت خطا کی ہو جائے گی،[3]

اوپر کتاب کے اتلاف کی جو مثال بیان کی گئی ہے، اس میں ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کتا چھوڑ جانے کے بعد باقی لوگ جو رہ گئے تھے، وہ ایک ساتھ نہیں، بلکہ یکے بادیگرے گئے، اس صورت میں جو شخص سب سے آخر میں گیا ہوگا، وہی ذمہ دار ہوگا، اور وہی ہرجانہ کی ادائی کا ذمہ دار ہوگا،[4]

---

[1] المبسوط سرخسی ص ۳۰۴، جلد ۲۷، یہ امور اور اس سلسلہ کی بعض تفصیلات بدائع الصنائع میں بھی ہیں، ص ۲۸۰ و ۲۸۱، جلد ۷، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۸ھ [2] المبسوط ص ۱۴، جلد ۲۷ [3] شرح الکبیر شمس الدین مقدسی ص ۴۹۳، جلد ۹ مطبوعہ قاہرہ، [4] فتاوی قاضی خان ص ۴۳۰، جلد ۴،

۵ : امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ دو آدمی ایک چوپایہ پر ردیف تھے، چوپایہ نے اپنی اگلی یا پچھلی ٹانگوں سے کسی آدمی کو روند دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، تو اس صورت میں ذمہ داری کس پر عائد ہوگی، امام نے جواب دیا کہ مقدم یعنی اگلا سوار ذمہ دار ہوگا، لیکن اگر مقدم یہ جانتا ہو کہ چوپایہ سے اس حرکت کا صدور موخر یعنی دوسرے سوار کے چوپایہ کو حرکت دینے یا ضرب لگانے سے ہوا ہے، تو اس صورت میں دونوں پر ذمہ داری عائد ہوگی، اس لئے کہ اگر لگام موخر کے ہاتھ میں ہے، مگر موخر سے ایسا سبب واقع ہوا کہ مقدم اس کا سد باب نہ کر سکا،[1]

اس سلسلہ میں ابن القاسم نے یہ مزید صراحت کی ہے کہ اگر چوپایہ موخر کے کسی فعل کی بنا پر اپنی پچھلی ٹانگوں سے لات مار کر کسی کو ہلاک کر دے، تو مقدم ذمہ دار نہ قرار پائے گا، اور اگر ہلاکت مقدم کے کسی فعل کی بنا پر واقع ہوئی ہو، تو اس صورت میں مقدم ہی ذمہ دار ہوگا،[2]

ابن القاسم نے یہ بھی توضیح کی ہے کہ اگر موخر نے کوئی کام ایسا کیا ہو جس کی وجہ سے چوپایہ بھڑک جائے، اور مقدم کو اس کا علم نہ ہو اور کوئی شخص روندا جائے، تو موخر ذمہ دار سمجھا جائے گا، بشرطیکہ موخر یہ جانتا ہو کہ اس کے اس فعل کی بنا پر مقدم چوپایہ کو تھام نہ سکے گا،

مختصر یہ کہ اگر کسی کو یہ یقین ہے کہ چوپایہ کی حرکت اس کی وجہ سے وقوع میں نہیں آئی، تو اس پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اور اگر اس کے خلاف صورت ہو تو ذمہ داری عائد ہو جائے گی،[3]

اصول جو مثالوں سے قرار پائے | ان مثالوں سے حسب ذیل امور قرار پاتے ہیں،

۱- مشترکہ جنایت کا صدور خطاً یا دوسرے الفاظ میں بربنائے غفلت بھی ہو سکتا ہے،

۲- ایک شخص جس جنایت کا ذمہ دار قرار پایا ہے، دوسرے لوگ بھی اس کے مرتکب ہو سکتے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں ایک سے زیادہ افراد سے احتیاط برتنے میں غفلت صادر ہو سکتی ہے،

---

[1] المدونہ ص ۵۰۵ جلد ۴ [2] و [3] بموجب تعلیق نمبر ۲،

غرض انگلستانی قانون اور فقہ اسلامی دونون مین مشترک جنایت کے صدور کے اصول مین
کوئی اختلاف نہین ہے،

(۲)

(رقم ہرجانہ کا شترکہ خاطیون کے مابین بطور حصہ رسدی منقسم ہونا)

جو افراد مشترکہ طور سے کسی جنایت کے مرتکب ہوے ہون ان کے متعلق انگلستان کے قانون
کا عام قاعدہ یہ تھا کہ ایک شریک جنایت دوسرے شریک جنایت کے مقابلہ مین حصہ رسدی
کا دعوی نہین کر سکتا، [1] لیکن اسلامی فقہ کی رو سے ہر شریک جنایت سے مجموعی نقصان کا
حصہ رسدی دلایا جائے گا،

مگر انگلستان کا قاعدہ بھی ۱۹۳۵ء مین ترمیم ہو کر اسلامی فقہ کے اصول سے مطابق ہو گیا
ہے، اس موقع پر انگلستان کے قاعدہ پر تاریخی نقطۂ نظر سے اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنا نامناسب
نہ ہوگا،

انگلستان کے قاعدہ پر تاریخی نظر

۱۷۹۹ء مین ایک مقدمہ [2] مین یہ امر طے کیا گیا تھا کہ جو شخص فریب
یا کسی اور عناداً عمل مین لاتے ہوئے خلافِ قانون فعل کا مرتکب ہو، اور ہرجانہ کی ادائی کا ذمہ دار
قرار دیا گیا ہو، وہ اپنے کسی شریک فعل سے ہرجانہ کی ادائی کے سلسلہ مین حصہ رسدی حاصل کرانے
کا مجاز نہین ہے،

سر جان سامنڈ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مذکورۂ بالا مقدمہ مین جو اصول قائم کیا گیا ہے
وہ پوری طرح غور کئے بغیر قائم کر لیا گیا ہے، اور اس کے لئے جو دلیل دی گئی ہے وہ محض اصطلاحی ہے

---

[1] سامنڈ لاآف ٹارٹس ص ۱۰۰، ۱۹۲۸ء [2] Merry Weather v. nixan.

اس قاعدہ کی دلیل

یہ اصول اس بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی خاطی اس قسم کے حصہ رسدی کا دعوی کرے
تو اس کی بنیاد خاطیون کے کسی باہمی معاہدہ کو قرار دینا پڑے گا، جو غیر قانونی اور باطل ہے، کیونکہ خلاف
قانون افعال کو عمل مین لانے کے لئے جو معاہدہ بھی عمل مین آئے، وہ ناقابلِ اعتبار ہے،

اس کی تردید

سر جان سامنڈ نے اس پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خاطیون کے درمیان ہرجانہ کی بقدر
حصہ رسدی تقسیم کسی معاہدہ کی بنا پر نہین بلکہ اس اصول انصاف پر مبنی ہونی چاہئے کہ جو ذمہ داری قانون
کی رو سے ایک سے زیادہ افراد پر عائد ہوتی ہو، اس کا بار صرف ایک فرد واحد ہی پر کیون ڈالا جائے،
مگر مذکورۂ بالا مقدمہ مین طے کیا ہوا اصول اس قدر مستحکم سمجھ لیا گیا تھا کہ ایک عرصۂ دراز تک اس
پر رد و قدح ممکن نہ تھی،

قاعدہ مین ترمیم

لیکن آگے چل کر (۱۸۲۷ء اور ۱۹۳۴ء مین) یہ قرار دیا گیا کہ اس قاعدہ کا اطلاق صرف
اس صورت مین ہوتا ہے جب کہ خلافِ قانون فعل بالقصد اور جان بوجھ کر صادر ہوا ہو، لیکن غفلت، لاعلمی
و نسیان، یا کسی غیر ارادی طریقہ سے خلافِ قانون فعل کے صدور کی شکل مین اس کا اطلاق نہین ہوتا،

انگلستانی قانون دانون کی رائین

چیف جسٹس بسٹ نے ۱۸۲۷ء مین ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ رائے
ظاہر کی کہ عقل، انصاف اور مصلحت صحیح کی بنا پر قرار دینا چاہئے کہ خاطیون
کے درمیان حصہ رسدی کی تقسیم نہ ہونا صرف ان صورتون تک محدود رہنا چاہئے، جب یہ قیاس
کیا جا سکے کہ جو شخص معاوضہ چاہتا ہے، وہ یہ بات جانتا تھا کہ اس سے ایک خلافِ قانون فعل کا
صدور ہو رہا ہے،

اس قسم کے خیالات اور رایون سے متاثر ہو کر لارڈ ہرشل نے اسکاٹ لینڈ کے ایک مقدمہ مین
فیصلہ صادر کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ

"اس ملک مین اس فیصلہ [1] پر فی الحال کوئی اعتراض کرنا بہت بعد از وقت ہے، لیکن جب

---

[1] Merry weather v. nixa کے مقدمہ مین صادر کیا ہوا فیصلہ،

مجھ پر یہ پابندی ہے کہ مین اس اصول کو اسکاٹ لینڈ کے قانون کا جزو خیال کرون تو مین یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہون کہ مین یہ سمجھنے سے قاصر ہون کہ یہ قاعدہ عدل وانصاف یا مصلحت عامہ کے کس اصول پر مبنی ہے، اور اس اصول کو کسی دوسرے ملک کے قانون مین شامل کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہین ہے"

غرض لارڈ ہرشل نے یہ قرار دیا کہ چیف جسٹس بسٹ کے فیصلہ سے یہ امر متفرع ہوتا ہے کہ اگر غفلت کی بنا پر مشترکہ ٹارٹ کا صدور ہو تو ہرجانہ مین حصۂ رسدی ادا کرنے کا حق پیدا ہوجاتا ہے،

قانون مین مزید ترمیم | بعد مین دو ایک قوانین موضوعہ کے ذریعہ بعض صورتون مین یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ اگر کسی مشترکہ فعل کی بنا پر ہرجانہ کی ادائی عمل مین آئے تو تمام شرکاء کے قصور سے اس کا حصۂ رسدی حاصل کیا جائے گا،[1]

قانون مین قطعی تبدیلی | اور ۱۹۳۵ء کے لاء فارم ایکٹ مین یہ اصول قطعی طور سے تسلیم کر لیا گیا کہ ٹارٹ مین اگر کسی مشترکہ خلاف قانون فعل کی بنا پر ہرجانہ دلایا جائے، تو تمام شرکاء کے قصور سے ہرجانہ کا حصۂ رسدی حاصل کیا جائے گا،

فقہ اسلامیہ کا اصول | مشترکہ جنایت کے صدور مین ہر شریک فعل سے ہرجانہ کا حصۂ رسدی وصول کرنا اسلامی فقہ کا ایک مسلمہ اصول ہے،

اور اس سلسلہ مین علامہ موفق الدین ابن قدامہ کا یہ قول اوپر نقل کیا جا چکا ہے، کہ اگر کوئی جماعت کسی خلاف قانون فعل مین اشتراک عمل مین لائے، اور اس کی وجہ سے کوئی اتلاف واقع ہو تو ہرجانہ کی ذمہ داری سب پر عائد ہوگی،[2]

---

[1] یہ تمام بحث سامنڈ کی لائف ٹارٹس سے ماخوذ ہے، ص ۱۰۳ و ۱۴۴، ۱۹۳۶ء [2] المغنی موفق الدین ابن قدامہ ص ۵۰۵ جلد ۹،

اسلامی فقہ کا اصول صاف طور سے یون بھی بیان کیا گیا ہے کہ

"التلف من فعل الاجزاء المتعدد دین یکون علی کلھم بالحصص"[1]

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ متعدد اجیرون کے فعل سے کوئی اتلاف وقوع مین آئے تو اس کا ہرجانہ ادا کرنے کی ذمہ داری سب پر حصون کے ذریعہ قائم ہوگی،

ایک مثال اس نوعیت کی اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ اگر تین آدمیون نے ملکر کسی شخص کو قتل کیا ہو، تو ولی کو ہر قاتل سے دیت کا ایک ثلث حصہ دلایا جائے گا،[2]

اس کے علاوہ ایک اور مثال اونٹون کی قطار اور سائق وقائد کی ذمہ داری کے بارے مین دی جا چکی ہے، اس مثال کی تفصیلات مین علامہ سرخسی نے صراحت کی ہے کہ اگر سائق اور قائد کے ساتھ قطار کے وسط مین کوئی اور سائق ہو، تو تینون پر ایک ایک ثلث کی ذمہ داری ہوگی، فالضمان فی جمیع ذالك علیھم اثلاثاً۔[3]

غرض مشترکہ جنایت کے صدور مین ہر شریک سے ہرجانہ کا حصۂ رسدی وصول کرنا اسلامی فقہ کا ایک مسلمہ اصول ہے،

(۳)

مشترکہ خاطیون کی جنایت سے نقصان عائد ہو تو ہرجانہ وصول کرنے مین زیادہ قصور کرنے والے اور کم قصور کرنے والے کی حیثیت،

انگلستان کے قانون کی وضاحت | انگلستانی قانون کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مشترکہ جنایت سے جو نقصان کسی شخص کو پہنچے، تو زیادہ قصور والے سے زیادہ اور کم قصور والے سے کم ہرجانہ نہین دلایا

---

[1] محمود افندی الحمزاوی، التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر، ص ۸، الہندیہ کے حوالہ مطبوعہ ۱۳۱۲ ہجری [2] موفق الدین ابن قدامہ، المغنی ص ۳۶۰ جلد ۹ [3] المبسوط ص ۳ و ۱۴ جلد ۲۶،

دیا جائے گا، بلکہ ہر شریک جنایت پورے نقصان کا ذمہ دار ہوگا، اور اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کہ ہر شریک سے کس قدر نقصان پہنچا ہے[1]،

اسلامی اصول — اصولاً اسلامی فقہا نے بھی یہی طے کیا ہے کہ زیادہ قصور کرنے والا زیادہ، اور کم نقصان پہنچانے والا کم ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ ہر شریک جنایت پورے نقصان کا ذمہ دار ہے، اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کہ کس شریک سے کتنا نقصان پہنچا، ایک مثال سے اس اصول کی توضیح ہوگی،

اگر ایک شخص نے کسی شخص کو ایک زخم لگایا، اور دوسرے شخص نے اسی مجروح کو ایک سو زخم لگائے، اور مجروح کی موت واقع ہوگئی، تو ایک زخم لگانے والا اور سو زخم لگانے والا دونوں قصاص اور دیت میں برابر ہوں گے[2]،

علامہ شمس الدین المقدسی نے بیان کیا ہے کہ جتنا نقصان پہونچایا گیا ہے اگر اسی کے برابر ذمہ داری متعین کی جائے تو پھر مشترک طور سے نقصان پہنچانے والوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہ کی جا سکیگی[3]،

ایک مثال سے اس مسئلہ کی مزید توضیح ہوگی،

ایک آدمی کو تین آدمیوں نے مل کر قتل کیا، ایک شخص نے ہاتھ کاٹے دوسرے نے پیر، اور تیسرے شخص نے کوئی اور تکلیف پہنچائی جس سے مجروح مرگیا، تو اس صورت میں تینوں شخص مساوی طور سے قتل کے ذمہ دار ہوں گے، اور تینوں سے قصاص لیا جائے گا، یا ہر ایک سے تہائی دیت لیجائیگی[4]،

(۴)

(ایک مشترکہ خاطی کے متعلق فیصلہ صادر ہوجائے تو اوس کا اثر)

---

[1] سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۲، ۱۹۲۸ء [2] و [3] شرح الکبیر ص ۳۲۵ جلد ۹ [4] موفق الدین ابن القدامہ المغنی ص ۳۶۷، جلد ۹،

انگلستانی قانون میں قاعدہ ہے کہ جب کسی ایک شریک جنایت کے خلاف کوئی عدالتی فیصلہ حاصل کرلیا جائے، تو دوسرے شرکاے جنایت بری الذمہ ہوجاتے ہیں[1]،

لیکن اسلامی فقہ کی رو سے اصولاً ایک شریک جنایت کے بری الذمہ ہوجانے سے دوسرے شرکاے جنایت بری الذمہ نہ ہوجائیں گے، "لا تزر وازرۃ وزر اُخری"[2] نیچے کی مثال سے اس پر مزید روشنی پڑے گی،

(۵)

(مدعی کسی ایک خاطی کو بری الذمہ کردے تو اس کا اثر)

کامن لا کا قاعدہ — انگلستان کے قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کی رو سے اس قاعدہ پر عمل کیا جاتا تھا کہ اگر خود مدعی کسی شریک جنایت کو بری الذمہ کردے، تو باقی شرکاے جنایت بھی بری الذمہ ہوجاتے تھے، ان پر کوئی دعوی نہیں کیا جاسکتا تھا[3]،

۱۹۳۵ء کی ترمیم — لیکن ۱۹۳۵ء کے لا فارم ایکٹ کے تحت یہ قرار دیا گیا ہے کہ مشترک جنایت میں کسی ایک مرتکب جنایت کے خلاف کوئی فیصلہ صادر ہوجانے سے اس امر کی ممانعت نہیں ہوجاتی کہ دوسرے شریک جرم پر نالش نہ دائر کیجا سکے، اور اگر کسی نقصان کے سلسلہ میں مشترک خاطیوں کے خلاف ایک سے زیادہ دعوے رجوع کئے جائیں، تو ہرجانہ کی رقم کو مجموعی طور سے اس رقم سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، جو پہلے فیصلہ کی بنا پر دلائی گئی ہو[4]،

اسلامی فقہ کے اصول — اسلامی فقہ کی رو سے یہ اصول تو مسلم ہے کہ اگر ایک شریک اپنے کسی حق سے دست بردار ہوجائے، تو دوسرے کا حق بھی کسی نہ کسی طور سے ساقط ہوجاتا ہے، چنانچہ قصاص

---

[1] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۰۱، ۱۹۲۸ء [2] قرآن شریف سورۃ الانعام [3] سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۲، ۱۹۲۸ء [4] لا فارم ایکٹ ف ۶، الف و ب،

تمام وارثون کا حق ہے خواہ وہ ذوی الانساب ہون یا ذوی الاسباب، مرد ہون یا عورت، بڑے ہون، یا چھوٹے، لیکن اگر ان وارثون مین سے کسی ایک نے بھی قصاص معاف کر دیا، تو اس کو درست قرار دیا جائے گا، اور قصاص ساقط ہوجائے گا، اور باقی وارثون مین سے کوئی بھی قصاص کا مطالبہ نہ کر سکے گا، امام اعظم اور امام شافعی نیز اکثر اہل علم کا یہی قول ہے،[۵۱]

لیکن اگر مدعی کسی شریک جنایت کو بری الذمہ کر دے، تو دوسرے شرکائے جنایت بھی بری الذمہ ہوجائین، یہ اصول فقہ اسلامیہ کی رو سے قابلِ تسلیم نہین ہے،

ذیل کی مثال سے اس کی وضاحت ہوگی،

مثلاً تین آدمیون نے ایک شخص کے قتل مین اشتراک عمل کیا، اس صورت مین مقتول کے ولی کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قصاص لے یا سب سے دیت لے کر معاف کر دے، دیت لینے کی صورت مین ہر قاتل سے اس کا ایک ایک ثلث لیا جائے گا، اور ولی کو اس کا بھی اختیار ہے کہ وہ ایک قاتل سے قصاص کے بجائے تہائی دیت لے لے، اور باقی دو سے قصاص یا دو سے دیت لے، اور صرف ایک سے قصاص،[۵۲]

غرض لار فارم ایکٹ کے نافذ ہونے کے بعد سے انگلستان مین جس اصول پر عمل ہوتا ہے وہ اسلامی فقہاء کے یہان پہلے سے مسلم ہے،

تیسری فصل

(ان افراد کی حیثیت جنھون نے مشترکہ طور پر مضرت برداشت کی)

انگلستان کے قانونی اصول ان افراد کے متعلق جنھون نے مشترکہ طور پر مضرت برداشت کی ہو، انگلستانی قانون کے دو اصول قابل غور ہین،

[۵۴] لا فارم ایکٹ ن ۶-۱-۷ الف و ب ۵۵ ایڈ،

۱- اگر دو یا زیادہ اشخاص کو حق نالش حاصل ہوا، اور یہ حق ایک ہی ٹارٹ کی بنا پر ہو مگر نالش کرنے مین سب ضرریابون نے مشترکہ حصہ نہ لیا ہو تو اس سے دوسرے شخص کے نالش دائر کرنے مین کوئی رکاوٹ نہین پیدا ہوجاتی،[۵۵]

۲- اگر دو یا زیادہ افراد کو کسی ٹارٹ کی وجہ سے مشترکہ طور پر مضرت پہونچی ہو، اور ان مین سے کوئی ایک فرد مرتکب جنایت کو بری الذمہ کر دے، تو باقی افراد کو بھی حق نالش باقی نہ رہیگا، دھوکہ کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے،[۵۶]

اسلامی اصول پہلی صورت مین اسلامی فقہ کی رو سے بھی دوسرے شریک کا حق ساقط نہین ہوتا، دوسری صورت کی مثال اوپر گذر چکی ہے، کہ قصاص تمام وارثین کا حق ہے، اگر وارثون مین سے کوئی ایک بھی قصاص معاف کر دے، تو اس سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے، اور باقی وارث بھی قصاص کا مطالبہ نہین کر سکتے،[۵۷]

اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشترکہ ضرر مین اگر ایک ضرریاب مجرم کو بری کر دے، تو اس سے دوسرے ضرریابون کا حق ساقط ہوجائیگا لیکن انگلستانی قانون مین جو عمومیت پائی جاتی ہے، وہ اسلامی قانون مین تسلیم نہین کی گئی ہے، یعنی ایک حق کے اسقاط سے کوئی دوسرا حق اگر وہ موجود اور قابل حصول ہو ساقط نہین ہوجاتا، چنانچہ صاحب ہدایہ نے جامع الصغیر سے امام محمد کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ مشترک ضرریابون مین سے اگر کوئی ایک ضرریاب قصاص معاف کر دے، تو دوسرے ضرریابون کا حق قصاص تو ساقط ہوگیا، لیکن حق دیت ساقط نہین ہوجاتا، البتہ جس ضرریاب نے حق قصاص معاف کر دیا ہو اس کو دیت کا بھی کوئی حق باقی نہین رہتا،[۵۸]

[۵۵] سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۶ ۱۹۲۸ء [۵۶] یہ مثال المغنی سے نقل کی گئی تھی، ص ۳۴۴ جلد ۹ [۵۷] الہدایہ ص ۵۵۶، جلدین آخرین مطبع مصطفائی ۱۳۰۴ھ،

چوتھی فصل

(اصل اور کارندہ)

قانون انگلستان کے قرار دادہ امور

اصالتًہ یا نیابتًہ ٹارٹ کرنے کے بارہ مین انگلستان کا قانون یہ ہے،

"اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی جانب سے اس کی اجازت یا ترغیب دلانے سے، یا اس کے کارندہ کی حیثیت سے کسی ٹارٹ کا مرتکب ہو تو ذمہ داری دونون شخصون پہ عائد ہوگی"؛

اصل اور کارندہ دونون انفرادی طور سے بھی اور مشترکہ بھی، ہر اس ٹارٹ کے ارتکاب کے لئے ذمہ دار ہون گے، جس کی ترغیب یا اجازت اصل شخص نے دی ہو، اور کارندہ نے اس کی تعمیل کی ہو[2]؛

اس اصل پر کئی اور امور متفرع ہین، مثلاً

۱- اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی ٹارٹ کے ارتکاب کے لئے کارندہ مقرر کرے تو عام طور سے اصل شخص اس ٹارٹ کے لئے ذمہ دار ہوگا، اگر کارندہ کارکردگی کے دوران مین کوئی ایسا ٹارٹ عمل مین لائے جس کی اجازت اصل شخص نے اس کو نہین دی تھی؛ تو اس صورت مین عام طور سے اصل شخص ذمہ دار نہین قرار پائے گا[3]؛

۲- اور اگر وہ کارکردگی کے دوران مین اپنی غفلت، سہو و نسیان، لاعلمی یا دھوکہ کھا کر کسی خلاف قانون فعل کا مرتکب ہوا ہو، تو معمولی صورتون مین اس کی وجہ سے اصل شخص پر کوئی ذمہ داری

---

[1] سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۱۰۷ ۱۹۲۳ء نیز انڈر ہل، قانون ٹارٹ ترجمہ راے بیجناتھ، سلسلہ جامعہ عثمانیہ ص ۹۵ ، [2] سامنڈ بوجب تعلیق گزشتہ ،

عائد نہین ہوگی[1]؛

۳- مگر اس قاعدہ کی مستثنیٰ صورتین بھی ہین، جن مین ایک اہم صورت آقا اور ملازم کے تعلقات کی ہے؛ اس پر آگے علیحدہ باب مین روشنی ڈالی جائے گی، یہان اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر کارندہ کسی ایسے فعل کے ارتکاب کے لئے مامور کیا گیا ہو، جو فی نفسہٖ خلاف قانون نہ ہو مگر اس فعل کی انجام دہی کے دوران مین کارندہ ٹارٹ کا مرتکب ہو، تو اگر کارندہ کی حیثیت ملازم کی ہے، تو اصل شخص ذمہ دار ہوگا، اور اگر وہ خود مختار معاہد ہے تو اصل شخص ذمہ دار نہ ہوگا[2]؛

ان بیانات سے امور ذیل قرار پائے،

کسی کی اجازت یا ترغیب سے یا کارندہ کی حیثیت سے کوئی شخص کسی ٹارٹ کا ارتکاب کرے تو ذمہ داری دونون پہ ہوگی،

۲- اگر کارندہ اپنی کارندگی کے دوران مین کوئی دوسرا ٹارٹ عمل مین لائے تو وہ ذمہ دار ہوگا،

۳- اگر کارندہ اپنی غفلت، سہو و نسیان، لاعلمی یا دھوکہ کھا کر کسی خلافِ قانون فعل کا مرتکب ہو تو اصل شخص ذمہ دار نہین ہوگا،

۴- اگر کوئی کارندہ کسی جائز کام کے لئے مامور ہو اور اس کام کی انجام دہی کے دوران مین ٹارٹ کا ارتکاب کرے، تو کارندہ خود ذمہ دار ہے،

اسلامی فقہ کے قرار دادہ امور

اس بارہ مین اسلامی فقہ کا اصول یہ ہے، کہ "الآمر لایضمن" یعنی کسی کام کا حکم دینے والا ذمہ دار نہین ہے[3]، البتہ اس قاعدہ کے ساتھ یہ قید لگا دی گئی ہے کہ حکم دینے والا "قانونًا" اس فعل کے حکم دینے کا مجاز نہ ہو، اور اگر مجاز ہے، تو اس صورت مین ذمہ داری حکم دینے والے پہ عائد ہوگی[4]

---

[1] سامنڈ بوجب تعلیق گزشتہ [2] انڈر ہل قانون ٹارٹ بوجب تعلیق نمبر ۱ [3] التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر محمود الحمزاوی ص ۱ و ۲ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ [4] مجمع الضمانات ابو محمد بن غانم البغدادی ص ۱۵۰ مطبوعہ مصر ۱۳۰۸ھ

اس اصول کی بنا پر اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی تیسرے شخص کا مال لے لینے کا حکم دے اور وہ اس حکم کی تعمیل کرے، تو ذمہ داری آخذ پر ہوگی، آمر پر نہ ہوگی، کیونکہ اس کے حکم دینے کا وہ قانونًا مجاز ہی نہیں تھا[۵۱]، اس کی چند مثالیں یہ ہیں،

۱- ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ فلان شخص کا کپڑا پھاڑ دے، اس نے اس کی تعمیل کی تو ذمہ داری کپڑا پھاڑنے والے پر ہوگی[۵۲]،

۲- ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ راستہ مین پتھر رکھدے، اس نے یہ کام کر دیا، جس سے خود آمر کو نقصان پہنچ گیا، تو پتھر رکھنے والا (تعمیل کنندہ) ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا[۵۳]،

۳- ایک بالغ آدمی نے کسی بچہ کو کسی شخص کے کپڑے تلف کر دینے یا اس کے چوپایہ کو ہلاک کر دینے کے لئے کہا اور بچہ نے ایسا کر دیا تو اس اتلاف کا ہرجانہ بچہ کے مال سے دلایا جائے گا[۵۴]،

۴- ایک شخص نے اپنے بالغ لڑکے کو اپنی زمین پر آگ سلگانے کا حکم دیا، لڑکے نے اس کی تعمیل کی، اور یہ آگ ہمسایہ کی زمین تک پھیل گئی، جس سے اس کی کوئی شے ضائع ہوگئی، تو اس صورت مین باپ ذمہ دار ہوگا، کیونکہ باپ کا لڑکے کو حکم دینا درست ہے، اور لڑکے کا فعل باپ کی جانب منتقل ہو جائے گا، اور یہ خیال کیا جائے گا کہ باپ نے ہی اس فعل کا ارتکاب کیا[۵۵]،

ان مثالون سے یہ واضح ہوگا کہ فقہ اسلامی مین آمر یعنی حکم دینے والا فعل کا ذمہ دار نہین ہوتا ہے، البتہ اگر آمر اس حکم دینے کا قانونًا مجاز ہو، تو ذمہ داری مرتکب پر عائد نہین ہوتی، بلکہ آمر کی جانب منتقل ہو جاتی ہے،

اس طرح گویا "الآمر لا یضمن" کا اصول کلی نہین ہے، علامہ ابن نجیم نے اُن کے چھے مواقع ذکر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۱) نیز تحریر محمود تعلیق نمبر ۵ [۵۱] مجمع الضمانات ص ۱۵۰ [۵۲] ایضاً ص ۱۵۹ - [۵۳] ایضاً ص ۱۶۱ [۵۴] ایضاً ص ۱۶۰، [۵۵] ایضاً ص ۱۶۲،

دیے ہیں، علامہ سید محمود الحمزاوی نے اس کی بعض اور صورتین بھی گنائی ہین، اور ان سب صورتون کا حصر مندرجہ ذیل چار شکلون مین کیا ہے،

۱- اکراہ، مثلاً سلطان یا اس کے مماثل کسی شخص کے حکم سے کوئی شخص کسی اتلاف کا مرتکب ہو تو ذمہ داری مرتکب پر نہ ہوگی، آمر پر ہوگی،

۲- غصب، مثلاً کسی نے دوسرے شخص کو حکم دیا کہ کسی اور شخص کے مال کو تلف کر دے، اس صورت مین بھی ذمہ دار آمر ہوگا،

۳- دھوکہ دہی، مثلاً کسی شخص نے چند مزدورون کو کسی دوسرے شخص کی زمین کھودنے پر مامور کیا، لیکن مزدورون کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آمر کو اس زمین پر کھدائی کا حق حاصل نہین ہے، اور اس کھدائی کی بنا پر کسی شخص کو نقصان پہنچ گیا، تو مستاجر ذمہ دار ہوگا،

۴- ایسے حکم کا انتفاع جو خود آمر کی ذات پر راجع ہے، اور اس سے کسی کو نقصان پہنچ جائے مثلاً کوئی شخص اپنی دکان کے سامنے کسی سے پانی چھڑکوائے، اور اس سے کسی کو نقصان پہنچ جائے، تو اس کی ذمہ داری آمر پر ہوگی،

خلاصۂ بیانات

غرض انگلستان کے قانون کی رو سے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی اجازت یا ترغیب سے یا کارندہ کی حیثیت سے کسی جنایت کا ارتکاب عمل میں لائے، تو ذمہ داری آمر اور مامور دونون پر عائد ہوگی، لیکن اسلامی قانون کی رو سے بجز چند استثنائی صورتون کے ذمہ داری خود مامور پر ہوگی، جس سے فعل عمل مین آیا ہے، اور ان استثنائی صورتون مین بھی ذمہ داری آمر اور مامور دونون پر نہین، بلکہ صرف آمر پر عائد ہوگی،

(کارندگی کے درمیان مین کسی دوسری جنایت کا ارتکاب)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کارندہ اپنی کارکردگی کے دوران مین کسی دوسری جنایت کا ارتکاب

کرے، تو اس کی ذمہ داری کارندون پر عائد ہوگی، اصل شخص ذمہ دار نہ ہوگا،

اسلامی فقہاء کے اصول کے لحاظ سے اگر وکیل اپنے موکل کے حکم کی خلاف ورزی کرے تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہوگی[1]

اس کی وضاحت ذیل کی مثال سے ہوگی، ایک شخص نے اپنے چوپایہ پر قبضہ حاصل کرنے کیلئے جو اس نے کسی کو عاریۃً دیا تھا، ایک دوسرے شخص کو وکیل مقرر کیا، وکیل نے چوپایہ پر سواری کی اور اس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچ جائے، تو وکیل ذمہ دار ہوگا[2]

جب ایک جائز صورت مین وکیل اپنے موکل کے خلاف منشا عمل کرنے مین ذمہ دار قرار پاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی جنایت کے ارتکاب کے لئے مقرر کرے، اور ماموراس جنایت کے علاوہ کسی اور جنایت کا ارتکاب کرے، تو لامحالہ خود مرتکب (ماموریا وکیل) ذمہ دار ہوگا،

(کارندہ کی غفلت، سہو ونسیان کا اثر)

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قانونِ انگلستان کی رو سے اگر کوئی کارندہ، اپنی غفلت، سہو ونسیان یا لاعلمی سے کسی خلاف قانون فعل کا مرتکب ہوا ہو، تو اصل شخص پر کوئی ذمہ داری نہین ہوگی،

اسلامی فقہاء کے یہان بھی یہی اصول ہے، حسب ذیل مثال سے اُن کے مسلک کی وضاحت ہوگی،

ایک شخص نے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے ایک دوسرے شخص کو وکیل مقرر کیا، اُس نے اُس کو اپنی دوکان پر رکھا، اور کسی جگہ جاتے وقت اپنے ہمسایہ سے اس کی حفاظت کرنے کے لئے کہہ گیا، اور

---

[1] النور اللامع فی اصول الجامع سید محمود الحمزاوی بحوالہ جامع الکبیر امام محمد ص ۱۵ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ [2] مجمع الضمانات ابومحمد بن غانم البغدادی ص ۲۵۰،

وہ چیز ضائع ہوگئی تو اگر وہ شخص جس کی حفاظت مین وہ چیز دی تھی، وکیل کے عیال سے نہین تھا تو وکیل ذمہ دار ہوگا[1]

اور جب وکیل اپنے کسی تصور کی بنا پر اصل شخص کے پاس ذمہ دار ہوگا، تو لامحالہ کسی دوسرے کے پاس بھی مساوی طور سے ذمہ دار ہوگا،

(کارندہ کا اپنی جنایت کے لئے خود آپ ذمہ دار ہونا)

انگریز مقننین نے قرار دیا ہے کہ اگر کوئی کارندہ کسی جائز کام کی انجام دہی کے لئے مامور ہوا ہو، اور اس کے دوران مین کسی ٹارٹ کا ارتکاب عمل مین لائے، تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا، اصل شخص نہین،

یہ اصول کہ کارندہ اپنی جنایت کا آپ ذمہ دار ہے، اسلامی فقہا مین بھی مسلم ہے، ذیل کی مثالون سے اس کی وضاحت ہوگی،

۱- ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کو کسی دیوار کے گرانے کے لئے اجیر مقرر کیا، دیوار کے گرانے مین کسی شخص کی ہلاکت واقع ہوگئی، تو اس کی ذمہ داری اس اصول "التلف من فعل الاجیر یوجب علیہ الضمان" کے مطابق اجیر پر ہوگی،

۲- ایک شخص نے چند آدمیون کو کسی عمارت کے بنانے یا ڈھانے پر مقرر کیا، اس کام کی انجام دہی کے دوران مین اگر کسی شخص کو ضرر پہنچے، تو ذمہ داری اجیرون پر ہوگی[2]

پانچوین فصل کا خلاصہ،

(شراکتی کاروبار مین ایک شریک کی ذمہ داری دوسرے شریک پر)

انگلستان کے قانون کی رو سے طے کیا گیا ہے کہ

---

[1] مجمع الضمانات بموجب تعلیق گذشتہ ص ۲۰۶ [2] یہ دونون مثالین التحریر فی ضمان المامور والآمر والاجیر ص ۰، سے ماخوذ ہین،

جنایات

۱- شراکتی کاروبار مین ہر شریک دوسرے شرکا کا کارندہ ہے،

۲- ذمہ داری صرف ان افعال کی عائد ہوگی، جن کا ارتکاب شراکتی کاروبار کے دوران مین کیا جائے،

۳- اگر کسی شریک کا کوئی فعل شراکتی کاروبار کے دائرہ سے باہر ہو تو دوسرے شرکا پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی،

ان امور مین فقہ اسلامی کے احکام بھی مماثل ہین،

۱- اسلامی فقہاء کے نزدیک بھی شراکتی کاروبار مین ایک شریک دوسرے کا کارندہ ہوتا ہے[۴۹] اسی بنا پر ہر شریک اپنے تصرفات مین دوسرے شریک کا وکیل ہے، خواہ یہ تصرف کسی چیز کے حصول مین ہو یا بیع مین، یا کسی اور صورت مین،[۵۰]

۲- شراکتی کاروبار مین جن صورتون مین ایک شریک کے فعل کی ذمہ داری تمام شرکاء پر عائد ہوتی ہے، اس کی تشریح اس مثال سے ہوگی، مثلاً اگر اجارہ (کرایہ) پر لی ہوئی کوئی شے کسی شریک کے فعل سے تلف ہو جائے، یا عیب دار بن جائے تو بالاشتراک تمام شرکاء اسکے ذمہ دار ہونگے[۵۱]

۳- کسی شریک کا کوئی فعل شراکتی کاروبار کے دائرہ سے باہر ہو تو اس کی ذمہ داری صرف اس شریک پر عائد ہو جائیگی، مثلاً کسی شریک کاروبار کے لئے یہ جائز نہین ہے کہ دوسرے شریک کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے، البتہ اس کی اجازت سے جائز ہے،[۵۲]

اس طرح اگر کوئی شریک کاروبار شرکت سے علحدہ بھی اپنا کوئی ذاتی کاروبار کرے تو اسکی ذمہ داری دوسرے شرکاء پر عائد نہ ہوگی،

---

[۴۹] مجلۃ الاحکام ص ۱۸۶، مادہ ۱۳۳۳ نیز العنایہ ص ۲۰۹ جلدین اولین و ص ۲۰۹ جلدین اولین [۵۰] مجلۃ الاحکام ص ۱۸۶ مادہ ۱۳۳۳ [۵۱] مادہ ۱۳۹۳ [۵۲] ص ۱۹۷ [۵۳] العنایہ ص ۶۱۵، جلدین اولین،

مولانا مظفر شمس بلخی

اور

سندِ حدیث

از

ازجناب مولانا عبد الرؤف اورنگ آبادی

(۲)

تصنیف و تالیف مخدوم جہان کے مریدون کا شمار ایک لاکھ سے زیادہ تھا، مگر ان مین کل چالیس واصل الی اللہ اور چالیس واصلین ہیں، صرف تین مردانِ خدا تھے، اول شیخ مظفر شمس بلخی، دوسرے ملک زادہ فضل اللہ، تیسرے مولانا نظام الدین حصاری اور ان تین مین سے شیخ مظفر بلخی عاشق صادق تھے جن کی جان و تن مین آتش عشق کے شعلے بھڑکتے تھے، اسی شعلۂ عشق کا اثر تھا کہ مولانا کے صلبی اولاد پیدا نہ ہو سکی، اور زنیقاتِ حیات سے کنارہ کشی کرنا پڑی تھی،[۵۱]

آپ کی زندگی چار دور پر تقسیم کی جا سکتی ہے، اول تحصیل و تعلم، دوسرے تدریس و تعلیم، تیسرے تزکیہ نفس و تصفیۂ قلب، چوتھے ہدایت و ارشاد، دوسرے اور چوتھے دور مین بضرورت اور دوسرون کی فرمایش سے ایک دو رسالے اور صدہا مکتوبات تحریر کئے، اور جذباتِ عارفانہ کے اظہار کے لئے شاعری[۵۲] اختیار کی تھی،

---

[۵۱] ماخوذ از رسالہ شیخ بہرام بہاری۔ [۵۲] آپ کا پورا دیوان مرتب ہو چکا ہے،

حاجی شرف الدین فردوسی کے اصرار اور فرمایش پر علم درویشی میں چند صفحے کا ایک مختصر رسالہ "ہدایت درویشی و نہایت آن" فارسی مین تحریر کیا تھا، جو مطبع خاص شرف پریس بہار شریف مین ۱۳۰۶ھ مین طبع ہوا تھا،

(۲) جب مناظرہ و مباحثہ سے ذوق تھا، تو اکثر اوقات زیر بحث موضوع پر برجستہ رسالے لکھ کر مقابل علما، کو پیش کیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں بہاری علما، کے لئے رسالۂ کلام نفسی مرتب کیا تھا، اور مناظرہ سے پیشتر مخدوم جہان کی خدمت مین پیش کیا تھا، مخدوم نے اس کے مضامین سے تو اتفاق کیا، مگر وہ علماے عصر کے فہم وادراک سے باہر تھا، اور اس سے فتنہ کا خوف تھا اس لئے رسالۂ مذکور کو خود چاک کر دیا[۵۱]، اور مناظرہ و مباحثہ سے احتراز کرنے کی تاکید کی، آپ کی زندہ تصنیف شیخ الاسلام مولینا مخدوم شیخ حسین معز الملقب بہ نوشۂ توحید و سمندر توحید کی ذات گرامی تھی، جن کی تربیت و تعلیم آپ نے خود کی تھی، اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا تھا،

درس و تدریس | تعلیم و تدریس سے آپ کو شغف تھا، اور اس مین آپ کو اتنی شہرت حاصل تھی کہ زر زر شاہ نے درس گاہ کو شک لعل کو آپ کے حوالہ کر دیا تھا[۵۲] جہاں چند سال تک آپ کا قیام رہا، اسی اثنا مین ایک دن چند خوش آواز قوال درس گاہ کی جانب آنکلے، اور کچھ گانے لگے، اسے سُن کر آپ پر کیفیت طاری ہوگئی، اور محل کے بالائی حصہ سے کود پڑے، اور مال و متاع کو لٹا کر بہار کا رُخ کیا،

مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام مین حرم شریف مین مستقل چار سال تک احادیث کے درس مین مشغول رہے[۵۴] اور تعلیم و تدریس کا مشغلہ قیام عدن کے زمانہ مین بھی جاری رہا ہے[۵۵]،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۷) اور مولانا حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ پٹنہ کے مجموعہ نوادر سے ہے [۵۱] مناقب الاصفیا، [۵۲] مونس القلوب و مناقب الاصفیا، [۵۳] مناقب الاصفیا [۵۴] از سند حدیث مندرجہ [۵۵] مناقب الاصفیا،

آپ کے اقوال | مکتوبات اور مختلف کتابون مین آپ کے بہت سے عارفانہ اقوال و ملفوظات ملتے ہین، جو اس راہ کے سالکین کے لئے درس بصیرت ہین،

۱- اے دوست عاقلان قرآن شنیدہ اند و عاشقان قرآن دیدہ اند، .... شنیدن دیگر بود و دیدن دیگر، ہر عالم را منی علم باعمل او مقابلہ کن، اگر برابر آید بدانکہ عالم است،"

۲- اے مدبر تو یقین دان ہر کہ میرد، در بہشت رسد، عاشقان مردہ اند و بہ بہشت رسیدہ،

۳- سنت فقرا انیست کہ در مسکن و اسباب معاش ہر جا کہ باشند بے پناہ باشند، اگر پناہ خدا ئے تعالی و لقمۂ ایشان از غیر معلوم بود،

۴- علم خدا شناسی دیگر ست، و علم دین شناسی دیگر،

۵- اے دوست زاہدی و عابدی دیگر است، پاکی و پاکبازی دیگر، آن از زنان ہم آید، اما تو اگر مردی کار مردان کن،

۶- برائے تو خدائے تعالی چیزہا مقدر کردہ است از نیکی و بدی، پس آن ہمہ رسیدن ست در آن ذرہ ذرہ زیان و نقصان، شدنی نیست،

۷- تجلی نور توحید در شکل دوست است، در دیدار رویت مخصوص است، در آخرت این مسئلہ را برائے آنکہ فہم کند ذوق باید، و این جز نصیبۂ عاشقان ست، عقلا، را فہم این معنی بعید است،

۸- مخدوم ما شیخ الاسلام شرف الدین قدس سرہ العزیز درویشے را ہمین دو حرف گفتہ است ہمت و افلاس،

۹- چون مذمومات نفس بمحمودات بدل گشت، روشن تمام شد بسر حد سلوک رسید، بعد ازین کشش و جذبہ است ہمہ مستی در مستی و جد در وجد حال در حال است، اینجا قلم و عبادت کار نکند بنسبت کہ حق لحو یلق لمدیک دشیدنی است نہ گفتنی،

۱۰ - اے دوست آنچہ در غلبات گوئی معذوری کہ غلبات را حکم جنون است،

۱۱ - اے دوست دیوانہ بیخود باش قلاش و پاک باش از خود پاک باش،

۱۲ - ہر کہ چیزے یافت از صحبت یافت باید کہ در صحبت صلحا باشد،

۱۳ - عشق و شرکت حاشا و کلا عاشقان مشرک نباشند،

۱۴ - اے دوست اگر معلمے یابی کہ در مکتب بیخودی درس می دہد آنجا بروی و بشنو اے دوست با طالحان مباش با زاہدان مباش با فاسقان مباش با اہل دنیا مباش با اہل آخرت مباش بیخود باش دیوانہ باش، بیخودان باش، با دیوانگان باش، خاک باش،

۱۵ - اے دوست بر تن آدم باش و ہوا شریعت و بدل آدم باش ہو الحقیقت،

۱۶ - زاہدی دیگر ست، و عابدی دیگر، درویشی دیگر،

۱۷ - درویشی بحق مردن است و بحق زندہ ماندن،

مکتوبات | آپ کے مکتوبات عارفانہ اسرار و حقائق کا خزانہ ہیں، نمونۃً ایک مکتوب جو غیاث الدین تغلق کے نام ہے نقل کیا جاتا ہے،

مکتوب شست و ہشتم :- در غنیمت شمردن وقت شناختن حق ولی نعمت، بجانب سلطان غیاث الدین این فقیر وداع می کند انشاء اللہ تعالیٰ نیت مجاورت بیت اللہ دارد تا کہ الموت ہناک انشاء اللہ تعالیٰ این بیت،

سعدیا گر قدمت راہ بپایان نرسد   بارے اندر طلبش عمر بپایان برسان

بیان ایکہ ملاقات فی الیوم المعلوم قل ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم، یوم یقوم الساعۃ، اذا وقعت الواقعۃ، ذالک یوم التغابن، التغابن ... گردن اے یوم ظہور التغابن افسوس ہر کسے گوید دریغ ندانستم زیان کردم عمر باختہ بودم وقت کار ...

بچہ ضائع کردم دریغا شب تاریک بود گوہر را بہ بہائے خرمہرہ فروختم،

توسن شہ بزیر ران بود   ہم تو کم تاختی کسے چہ کند

براہ بودی دوادت آمدہ بود؟   لیک کم باختی کسے چہ کند

خواجہ سعدی رحمہ اللہ راست بیت،

زمانہ زمن روزگارے بود   کہ ہر روزے از وے شب قدر بود

امروز ہشت بہشت بپارہ نان و نعلے فروختہ می شود و فردا اگر بقدر ہفت زمین را پر از زر کنند بجا صی دہند کہ بردے عقوبت لازم شدہ است بخواہد کہ ہمہ را بعوض دہد و خود را از مقام عقوبت برہانند از و قبول نکنند

اگر بخواہی کہ بجوئی دلم امروز بجوئی   ورنہ بسیار بجوئی کہ نیابی ما را

ہر چہ امروز ہست تدارک امروز، عدل ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ و فی روایۃ خیر من عبادۃ الثقلین آن بادشاہ میسر ست، قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و لتنظر نفس ما قدمت لغد، اے دوست کدام غد ست ان کانت الصیحۃ واحدۃ فاذاہم جمیع لدینا محضرون قل ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم وحشرناہم فلم نغادر منہم احدا و عرضوا علی ربک صفا، چگونہ ہمچنیں کہ لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ

مکتوب مندرجہ سے ظاہر ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق سے مراسلت و مکاتبت کا سلسلہ بھی تھا،

شاعری اور نمونہ کلام | جذبات عارفانہ کے اظہار کی خاطر شاعری سے بھی ذوق تھا، اور یہ ذوق

لہ مکتوب مندرجہ طویل تھا، اور مضامین یکساں تھے، اس لئے مختصر کر دئے گئے،

فطری تھا، عربی اور فارسی دونون زبانون مین طبع آزمائی فرماتے تھے، برہان تخلص تھا، ہندوستان کی سکونت اور مخدوم جہان کی صحبت کے اثر سے کبھی کبھی ہندی دوہے کی شکل مین بھی عارفانہ جذبات کا اظہار فرماتے رہے، آپ کا پورا قلمی دیوان ردیف وار مرتب موجود ہے، منتخب دیوان کسی زمانہ مین شائع ہوا تھا، جو نایاب ہے، چند منتخب اشعار درج ذیل ہین،

همہ کارہا حرام است جز کار یار ما — چون فرض، فرض راہت این کار و بار ما
در بوم عقل بودم عنقا سعد گشتم — عشقت چو پنجہ برزد سیمرغ دار بر ما

من جدا شبہا ستم جانم جدا — اے بخاک کوے تو صد جان فدا
عشق رویت خانۂ ویران نہ کرد — خرگہ چو مفلس بے خانہ را

در دین شما دل نکشاید ما را — وین دین شما کار نہ آید ما را
ایمان حقیقی چو بجان روے نمود — این سشما کفر نماید ما را

مرد چو یخ چہ ماندۂ جوش برار چون شراب — بادۂ عاشقی بنوش نقل کن از دل کباب

آن قدسی کہ نور جمال و جلال داشت — در لاتمام بود در الاکمال داشت
قطب زمین کہ بد شرف الحق درین زمان — در آسمان بجمیع ملائک جمال داشت
او بود بے عیال ولیک از علوے قدر — جملہ جہان ز مشرق و مغرب عیال داشت
او در فنا بحد نہایت رسیدہ بود — ملک بقاے ایزد باقی نوال داشت

سر کو میان ما و شما در الست رفت — وان سر بسر دلے کہ دمید بدست رفت
ہر کو بغیر عشق بسر برد عمر اگر — صد سال کرد طاعت وہم بت پرست رفت

۱؎ شیخ مخدوم جہان کی تعریف و توصیف مین یہ اشعار ہین، شیخ کے سلوک و عرفان کی حقیقت کو چند اشعار مین ظاہر کیا ہے،

ازان لعلت کہ نوشش خون ناب است — جہانے ہمچو چشم تو خراب است
بہر سو عاشقان جامہ دریدہ — ہنوز آن روے زیبا در نقاب است

ز آب آوردن طہارت شرط باشد در نماز — چون ز خود آری طہارت آن نماز دیگر است

عقل را جز کارسازی بیش نیست — عشق را جز پاکبازی بیش نیست
عاقلان را بس نماز تن بود — عاشقان را دل نمازی بیش نیست

ہر کہ در سوداے تو از کفر و ایمان پاک نیست — پاک جان دارد ہنوز او عاشق بیباک نیست
خال ہندوی تو و اللہ دین من تاراج کرد — ہندوان را غارت اسلام کردن باک نیست

چون بکوے عشق تحویل چاک شد — عقل را دامن بصد جا چاک شد
پاکباز عشق را از جان چہ باک — ہر کہ در عشق آمد او بیباک شد
در دل برہان چو عشقت شعلہ زد — علم فضلش جملگی خاشاک شد

گر باد صبا بوئے تو ہر شب نہ رساند — یک روز بہ ہجر تو کسے زندہ نماند
امروز مرا مست کن از جام لب خویش — تا سال دگر کہ خود و زندہ کہ ماند

بہ نزد اہل وحدت کفر باشد — بجز ذات خدا اثبات دیگر

ما خودی از تیغ لا گردن زدیم — بر جمال عشق الّا میردیم
آمدہ بودیم از دریا بموج — باز ہم از موج دریا میردیم
خود نمی گنجد چو برہان در رہش — در رہش از خویش یکتا میردیم

عشق را ایمان عریان کردہ ایم — عقل را از سر مسلمان کردہ ایم
اے غم کونین برخیز از دلم — من درین جا دوست مہمان کردہ ایم

ما نیک در اصل باد صوئیم — در ہر دو جہان از و قبولیم

از فرع باصل باز رفتیم
از عالم کاف و نون ملولیم

باصل چو وصل حاصل آمد
از فضل خدائے با حصولیم

بجز روئے تو دلدارے ندارم
بہ پشت در جہان یارے ندارم

ز روئے تو کہ گلزار جہان ست
نصیبِ خود بجز خارے ندارم

بہ ہجر تو کہ بیمارم چہ بر ہان
بجز درد تو بیمارے ندارم

من نان شب ندارم سلطانِ وقتِ خویشم
بر خوانِ کس نہ ۔۔۔ مہمان وقتِ خویشم

در خانہ و درِ کس نہ دم چو دامن من
بر دلم نشستہ دربان وقت خویشم

شد چو نہال شاخ عشق بیخ خود از میان بکن
ہر کہ ز عشق بر خورد بر بخورد ز خویشتن

دنیا و خلق وا سم رسم جملہ بتان آذرند
عشق خدا خلیل وار این ہمہ را تو بر شکن

مرگ چو خواہد آمدن پیش ز مرگ خود بمیر
تا ز تو بشکند جہان خود ز جہان تو بر شکن

ہمہ سر خدا شنیدہ تو
ہم عشق خدا گزیدہ تو

اے صاحب بیعت ید اللہ تو
آن دادہ و این خریدہ تو

مرحبا این طرز دیگر کردہ
عشق را انبیا و از مہر کردہ

عقل از علم تو چیزے در نیافت
خوب کردی عقل را خرکردہ

صد چو بہ ہا آن بر رخت اسپند باد
مرحبا این طرز دیگر کردہ

در حلقہ بے باکان باز ار کنم باری
زنار فغان بندم از بہر خریداری

از غیرت اگر یارت یک ذرہ تو بنید
ہر گز ندہد بارت در دیدہ ٔ یاری

اس انتخاب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کا کلام ذوق و شوق، سوز و گداز، جوش و خروش سے کس قدر معمور ہے، اور صاحب دل صوفی شعراء کے کلام کے اسرار و حقائق اور باکمال ایرانی اساتذہ

کے لفظی و معنوی محاسن اور حلاوت و شیرینی وغیرہ تمام اوصاف و خصوصیات ان کے کلام میں موجود ہیں،

ذوق و وجد مولانا میں ذوق و وجد کا بھی جذبہ تھا، جب مخدوم جہان راجگیر میں چلہ کش تھے[1]، اسی زمانہ میں آپ بھی چلہ کشی میں مصروف تھے، ابھی چالیس روز پورے نہ ہوئے تھے کہ میر شبخو نامی قوال نے حجرہ کے سامنے آکر ذیل کے اشعار ترنم سے پڑھنا شروع کئے،

کیش ما رسم شکستن نہ بود عہد وفا را
اللہ اللہ تو فراموش مکن صحبت ما را

درین دیار گذشتی و سالہا بگذشت
ہنوز بوئے تو می آید از منازلِ ما

انھیں سُن کر آپ بیتابانہ حجرہ سے باہر نکل آئے، اور نقد و جنس جو کچھ تھا، سب قوال کو دیدیا، کوشک فیروز شاہی کے درس کے زمانہ کے وجد و حال کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے،

فقرائے خانقاہ کی خدمت دہلی سے واپسی میں مخدوم جہان نے آپ کو فقرائے خانقاہ کی خدمت پر متعین کر دیا تھا[2]، اس خدمت کو آپ بڑی خوشی، اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، فقرائے خانقاہ جو حکم دیتے تھے اسکو بخوشی انجام دیتے، اور ذرا بھی کسر شان کا احساس نہ ہوتا، ایام خدمت گذاری میں کپڑے تار تار ہو جاتے تھے، اس حال میں بھی وہ خوش رہا کرتے اور فرماتے،

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی
کہ التفات کسے را بروزگارم نیست

اور زبان حال سے یوں گویا ہوئے،

خوار ہوں کوے طلب میں میری توقیر یہ ہے
خاک ہو جاؤں تیری راہ میں اکسیر یہ ہے

مجاہدہ و ریاضت جس زمانہ میں آپ مخدوم جہان کی خانقاہ میں جہد و ریاضت میں مشغول تھے، ایک

[1] راجگیر بہار شریف سے تقریباً چودہ میل سمت شمال میں ایک پر لطف کوہستانی مقام ہے جہاں سرد و گرم چشمے ہیں، مخدوم کنڈ سے متصل سمت مشرق وہ حجرہ ابھی تک موجود ہے جس میں مولانا نے چلہ کشی کی تھی، اس تنگ حجرہ میں جانا موجب خیر و برکت سمجھا جاتا ہے، مناقب الاصفیاء،

روز اتفاقاً خانقاہ کا دروازہ پکڑے تھے کہ مخدوم کی نظر آپ پر پڑی، دیکھا تو جسم میں صرف ہڈی چمڑا رہ گیا تھا، ہڈیاں دور سے نمایاں تھیں، مخدوم نے قاضی زاہد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، زاہد دیکھتے ہو یہ حضرت جو لانسلم کہتے آئے تھے، اب کس حال میں ہیں، ایک مدت تک اس مجاہدہ و ریاضت کے بعد مخدوم کے عنایات مربیانہ اور شفقتِ مرشدانہ سے سرفراز ہوئے،

ترک دنیا اور ماسوا سے بیزاری

جب آپؒ کی حالت اس درجہ کو پہنچ چکی کہ ذلت وخواری کا احساس باقی نہ رہ گیا تو مخدوم نے حکم دیا کہ مولانا کے لئے نفیس اور قیمتی کپڑے اور پرلطف اور دلکش قیام گاہ کا انتظام کیا جائے، سونے کے لئے عمدہ اور نرم بستر اور کھانے کے لئے الوانِ نعمت تیار کئے جائیں، اس حکم کی تعمیل ہوئی، مگر آپ نے اس پرتکلف سامان پر نظر تک نہ ڈالی، اور زبانِ حال یوں گویا تھے،

جانِ آدم چون بسرِ فقر سوخت ہشت جنت را بیک گندم فروخت

جس زمانہ میں آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول تھے، ایک مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا فلاں (بیوی) کی یاد مشاغل میں حارج اور مجاہدہ میں مخل ہوتی ہے، اور وسوسے اور خیالات ستاتے رہتے ہیں، خلوت نشینی کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، شیخ نے بظاہر اس پر کوئی توجہ نہیں کی، مگر کچھ دیر کے بعد آپ خود بول اُٹھے کہ میں نے فلاں بیوی کو طلاق دیدی، شیخ نے کہا کہ تم نے اپنا کام پورا کرلیا، خلوت اور شغل کی اب ضرورت باقی نہیں رہی، جہاں کہیں اور جس حال میں بھی رہوگے خلوت ہی خلوت رہے گی، اس نفس کشی اور اولوالعزمی کے باعث شیخ کے ایسے محبوب ہوئے کہ خود مراد بن گئے،

پیران در طلب مریدان اند یا خود را در آئینۂ مریدان بینند

متاعِ دنیا سے ایک حبہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، اگر نادانستہ رہ جاتا تو خلش پیدا ہو جاتی اور نماز میں سخت بے چینی محسوس ہوتی، ایک مرتبہ کسی عزیز نے نقرئی ٹنکے نذر کئے، آپ نے اُن کو حاضرین میں

[1] مناقب الاصفیاء،

تقسیم کر دیا، صرف دو ٹنکے رہ گئے تھے، اُن کو خادم نے کسی طاق پر رکھ دیا تھا، اور بھول گیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ جب آپ نماز میں مشغول ہوئے، تو دو چوپایے کی صورتیں پیش نظر ہوئیں، لاحول پڑھ کر تکبیرِ تحریمہ باندھا، تو پھر وہی مکروہ صورتیں پیش نظر تھیں، پھر لاحول پڑھ کر از سر نو نماز شروع کی، تو پھر وہی صورتیں سامنے تھیں، آپ نے اپنے خادم سے دریافت کیا کہ آلائشِ دنیا سے کوئی چیز گھر میں تو نہیں رہ گئی ہے، ہر چند خادم نے تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا، اس لئے آپ پھر بڑے اہتمام سے نماز شروع کی، مگر پھر وہی صورتیں پیش نظر تھیں، خادم کو آپ نے بہت ڈانٹا اور مزید تلاش و جستجو کی تاکید کی، اس نے دوبارہ تلاش کیا تو ٹنکے طاق پر ملے، آپ نے اُن کو گھر سے باہر پھنکوا دیا، اس وقت نماز سے وہ صورتیں دور ہوئیں اور اطمینانِ قلب نصیب ہوا،

اس واقعہ سے متاعِ دنیا سے بیزاری ہی کا نہیں، بلکہ احسان و اخلاص کے کمال کا بھی پتہ چلتا ہے،

تفرد و درویشی

آپ کی طبیعت میں نفاست کے ساتھ بڑا تکلف تھا، مزاج میں شاہزادگی کا پورا اثر تھا، اور ملبوسات، مطعومات، مشروبات اور مرغوبات ہر چیز سے تکلف نمایاں تھا، مگر طریقت میں آنے اور مرشد کی صحبت میں رہنے کے بعد زندگی کی کایا پلٹ ہو گئی، اور درویشانہ رنگ غالب ہو گیا، صورت سے شانِ درویشانہ ظاہر تھی، مکہ معظمہ اور عدن کے قیام کے زمانہ میں لباس و غذا کی جانب ایسی بے توجہی پیدا ہو گئی تھی کہ ان چیزوں کا احساس ہی نہ رہ گیا تھا،

ایثار و قربانی

سیر چشمی اور فیاضی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، نقد و جنس جو کچھ جمع ہوتا طالبوں اور سائلوں میں تقسیم کر دیتے، تقریباً چالیس بار گھر بار راہ خدا میں لٹا دیا، مخدوم شیخ حسین کا بیان ہے کہ جب آپ گھر لٹاتے تھے اس وقت میں بچہ تھا، گھر لٹاتے وقت کبھی ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آتے تھے، اور کبھی مجھے بھی بھول جاتے تھے، اور دوسرا کوئی شخص گھر سے باہر لاتا تھا، فیاضی کا یہ حال تھا کہ عزیزوں کا مال و متاع تک سائلوں کو دیدیتے تھے، ایک روز کوئی سائل آیا مخدوم شیخ حسین کا بقچہ جس میں

ضروری سامان تھا، سائل کے حوالہ کر دیا گیا، اگر کچھ پاس نہ ہوتا، تو بدن کے کپڑے اور پڑھنے کی کتابین دیدیتے، صحیح مسلم کا ایک لاجواب نسخہ آپ کے پاس تھا، جس مین آپ کے بھائی شیخ معز شمس بلخی، اور بھتیجے شیخ حسین معز بلخی نے قرأت و سماعت کی تھی، ایک سائل نے سوال کیا، اس وقت کچھ پاس نہ تھا، وہی لاجواب نسخہ اٹھا کر سائل کو دیدیا، شیخ حسین کو معلوم ہوا تو انھون نے عرض کی کہ وہ نسخہ تو آپ نے مجھے عطا کر دیا تھا، آپ نے فرمایا جان من! جب مین نے سائل کو دیدیا تو تم بھی اس کو بخش دو، یہ سن کر شیخ موصوف نے سائل کو تین سو روپیے دے کر اس نسخہ کو حاصل کیا، خود بھوکے رہ کر دوسرون کو شکم سیر کرنے کی بکثرت مثالین ہین،

ازدواج و اولاد اتباعِ سنت کے خیال سے آپ نے کئی نکاح کئے، مگر جب کسی بیوی سے اتنی محبت بڑھ جاتی کہ اس سے عبادت مین خلل پڑتا تو اس سے قطع تعلق کر لیتے[1]، لونڈیان بکثرت خرید کر آزاد کین، جن کی تعداد ایک سو کے قریب ہوگی، مگر ایک لونڈی بی بی ضیاء[2] کو جب آزاد کرنا چاہا تو انھون نے قدم پکڑ لئے، اور عرض کی کہ مجھے شرفِ خدمت سے محروم نہ کیجئے، چنانچہ وہ خوش بخت آخر حیات تک آپ کے ساتھ رہین، بعد وفات بھی وہ بقید حیات تھین، مگر کسی سے اولاد نہ ہوئی، مخدوم جہان نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ تم بجہ سوز باطن رکھتے ہو، اس لئے تمھین اولاد نہ ہوگی، اور معز الدین شمس کی جو اولاد ہوگی تمھاری طرف منسوب ہوگی، مکتوبات جوابی شیخ شرف الدین یحیٰی منیری المعروف بست و ہشت کے مکتوب یازدہم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو لا ولد ہونے کا رنج ہوتا تھا، ایک مرتبہ اس کا رنج ہوا تو مخدوم نے آیت کریمہ ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا الخ کے ماتحت حضرت موسیٰ پر ان کی ولادت سے لے کر طور کی تجلی تک جو حوادث و مصائب گذرے تھے، ان کو بیان کرکے فتوح اور کشود کار

---

[1] مناقب الاصفیاء،

[2] مونس القلوب مخطوطہ،

کی مبارکبادی دی تھی، چنانچہ تحریر فرماتے ہین کہ

"چون آن برادر نظر بحال بیت خود بر ناشائستگی خود افتاد از خود واز کار خود نا امید شد دل برہائی خود نہاد، اگر وقت فتوح در رسد، و در کار کشادہ گردد عجب نہ بود مبارک باد والسلام"

ان کے منجھلے بھائی مولانا معز شمس بلخی کے بمقام ظفر آباد اولاد ہوئی تھی، اور اس کی خبر بہار پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ مخدوم جہان نے مولانا کو مبارکبادی دی، اور فرمایا فرزند مبارک ہو[1]، آپ نے عرض کی حضرت مین تو متاہل بھی نہین ہون، اولاد کیونکر ہوگی، فرمایا، مولانا معز شمس کے فرزند تولد ہوا، وہ تمھارا فرزند ہوگا، اور اپنا پیراہن مبارک اور ایک رومال عطا کرکے فرمایا[2] کہ جب لڑکے کو کپڑے کی حاجت ہو تو اسی پیراہن سے اس کو بنانا، اور رومال کی ٹوپی بنا کر چھٹی مین بچہ کو پہنانا، چنانچہ یہ فرزند ارجمند حسین معز شمس بلخی مولانا کے فرزند مشہور انام ہوئے، اور آپ کا مشہور خاندان بلخی انھی بزرگ سے چلا، وہ مولانا کی صحبت مین رہتے تھے، اور آپ سے علم و عرفان کی تربیت حاصل کرتے،

بشارت مولانا اب تک حج کے شرف سے مشرف نہ ہوئے تھے، حسب ارشاد مرشد کعبہ روانہ ہوگئے، فراغت حج کے بعد عازم مراجعت تھے، کہ شیخ کی وفات کی خبر پا کر بہید ملول ہوئے اور برخاستہ خاطر ہو کر ہجرت کے خیال مین تھے کہ بشارت ہوئی کہ ہندوستان واپس جاؤ اور پھر عزیزون کے ہمراہ واپس آنا حسب بشارت ہندوستان کا رخ کیا، اور بہار تشریف پہنچے،

سجادگی اور رشد و ہدایت کا سلسلہ مخدوم جہان کی وفات[3] کے وقت مولانا موجود نہ تھے، مگر مخدوم کی وفات اور مولانا کی سجادگی سے پہلے ہی بعض مریدون نے خانقاہ نذر رسوم شروع

---

[1] مونس القلوب مخطوطہ و مناقب الاصفیاء [2] مونس القلوب [3] سالہ رین بدر عربی حب ذایت مونس القلوب میں لینا عمدہ مین مقیم تھے کہ مخدوم جہان کی وفات کا حادثہ رونما ہوا، جس شب مخدوم جہان نے وفات پائی ہے، مولانا نے خواب مین دیکھا کہ

کر دیئے تھے، مولانا جب بہار پہنچے، اور یہ نقشہ دیکھا تو باز پرس کی مولانا کے حجاز جانے سے پہلے مخدوم جہاں آپ کو اجازت نامہ اور سند خلافت تحریر کرکے عطا کر چکے تھے، اس کے باوجود اختلاف ہوا بالآخر مخدوم جہاں کے خدام اور مخصوصوں نے مولانا کے حق میں فیصلہ کیا اور آپ کی سجادگی کی رسم اہتمام کے ساتھ ادا ہوئی، اور آپ ایک مدت تک بہار میں قیام کرکے رشد و ہدایت کے فرائض ادا کرتے رہے، مگر مرشد سے غایت تعلق کی بنا پر آپ مفارقت شیخ میں نہایت رنجیدہ اور بے چین رہا کرتے تھے، اسی بے چینی میں دوبارہ حج بیت اللہ کو اور مجاورت بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے، اس سلسلہ میں صاحب کاشف الاسرار تحریر کرتے ہیں،

"حضرت مولانا بعد از تحال مخدوم الملک المتوفی ۷۸۲ھ کہ خلافت و سجادگی بذات بابرکات ایشان قرار گرفت یک چند بہ بہار طرح اقامت انگندند و داد رشد و ہدایت دادند اما از غایت تعلق کہ بحضرت مخدوم جہان دل خستہ می داشت دیگر بہ بہار تاب اقامت نیاوردند، برخاستند و بعالم وحشت و سراسیمگی بسوے بیت اللہ شتافتند و بعضے برآنند کہ باعث این سفر تفویض ولایت عدن بود"

اس بارہ میں صاحب کاشف الاسرار اور مناقب الاصفیاء دونوں ہمنوا ہیں کہ غایت تعلق کے باعث رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے، اس لئے زیادہ دنوں تک بہار میں قیام نہیں کر سکے، اور دوسرا سبب تفویض ولایت عدن بیان کیا جاتا ہے،

سلسلۂ پیران طریقت اور شجرۂ شیوخ | مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی (ھو اخذ الطریقۃ) عن

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۹) مخدوم یہ دوہا پڑھ رہے ہیں،

آئیں رات سہانیاں   جن کا دن ڈھیان کھائیاں

آپ نے وقت اور تاریخ محفوظ کر لی، بہار آنے پر معلوم ہوا کہ اسی تاریخ و وقت پر وفات ہوئی تھی، واللہ اعلم،

مخدوم جہان بندگی حضرت شیخ شرف الحق والشرع والدین احمد یحییٰ منیری وہو عن خواجہ نجیب الدین فردوسی وہو عن خواجہ رکن الدین فردوسی وہو عن خواجہ بدر الدین سمرقندی وہو عن خواجہ سیف الدین باخرزی، وہو عن خواجہ نجم الدین کبریٰ ولی تراش، وہو عن خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی وہو عن خواجہ وجیہ الدین ابو حفص، وہو عن خواجہ محمد بن عبد اللہ معروف بعمویہ وہو عن خواجہ احمد سیاہ دینوری وہو عن خواجہ ممشاد علو دینوری وہو عن خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، وہو عن خواجہ سری سقطی وہو عن خواجہ معروف کرخی وہو عن حضرت امام علی موسیٰ رضا وہو عن حضرت امام موسیٰ کاظم وہو عن حضرت امام جعفر صادق، وہو عن حضرت امام محمد باقر، وہو عن حضرت سید السجاد امام زین العابدین وہو عن سید الشہداء امیر المومنین حضرت امام حسینؓ وہو عن حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وعن شفیع المذنبین رحمت للعالمین، غیاث المستغیثین، انیس الغربا، والمساکین صاحب قاب قوسین جد الحسن والحسین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واحبتہ واصحابہ وبارک وسلم،[۱]

قیام مکہ و مجاورت حرم | لیکن خاطر اور طمانیت قلب یا کسی اور روحانی مقصد کے پیش نظر دوسری مرتبہ اپنے بھائی مخدوم شیخ معز الدین شمس اور بھتیجے مخدوم شیخ حسین معز شمس کے ہمراہ حجاز مقدس روانہ ہو گئے، اور مکہ معظمہ میں مسلسل چار سال[۲] قیام کیا، اس مدت قیام میں شیخ حسین اور دوسرے طلبہ کو احادیث کا درس دیتے رہے، اور حرم شریف کی مجاورت میں اوقات بسر کئے، اثنائے قیام میں شیخ کی علالت اور رحلت کا حادثہ پیش آیا، آپ کا مدفن حضرت خدیجہؓ[۳] اور خواجہ فضیل عیاض کے مزار کے متصل ہے،

---

[۱] آثار شرف مصنفہ قاضی سید نور الحسین متوطن تیر گھاٹی ضلع گیا، واز شجرہ مطبوعہ مولانا حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی فردوسی سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ پٹنہ [۲] مناقب الاصفیاء [۳] سند حدیث مذکور [۴] مناقب الاصفیا اور مونس القلوب،

درود مقبول در مولانا کا جواب کئہ کے دوران قیام میں ایک شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا تمھارے برادر زادہ نے میرے پاس عجیب تحفہ بھیجا ہے، ایسا تحفہ بہت کم بھیجا جاتا ہے، اور اس تحفہ یعنی درود کو ورد زبان فرماکر اظہار نوازش کی، اور شیخ حسین کو محبوبیت کی بشارت دی، مولینا نے درود مذکور کو زبان فیض ترجمان رسالت پناہی سے یاد کر لیا، اور بیدار ہوکر برادر زادہ کے حجرہ پر جاکر دروازہ کھٹکھٹایا، اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر خواب کا واقعہ بیان کیا، مخدوم شیخ حسین نے کہا کہ آج رات میں نے یہ درود انشا کیا ہے، یہ حج کا زمانہ تھا، اطراف وجوانب کے قافلے آئے ہوئے تھے، تیس چالیس اولیاء اللہ نے اس موقع پر ایسا ہی خواب دیکھا، اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر درود مذکور کو حاصل کیا، وہ درود شریف یہ ہے،

"اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد عدد خلقک ورضاء نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک وبارک وسلم[1]، وبارک[2] وسلم کا الحاق بزرگان نیر کا ہے۔"

ولایت عدن اور قیام عدن مولانا بھائی کی مفارقت سے بے حد متاسف تھے کہ ولایت عدن کی بشارت[3] ہوئی، اور آپ جب بشارت عدن روانہ ہوئے، آپ کے بھتیجے ہمراہ تھے، جسم پر شکستہ پیرہن اور سر پر پارینہ عمامہ باندازِ عاشقانہ عدن کی راہ لی، منزلوں پر تبدیل لباس کی یاد دہانی کی جاتی، اور نیا لباس پیش کیا جاتا، مگر آپ توجہ نہ فرماتے، البتہ اپنے بھتیجے شیخ حسین کو نیا لباس پہننے کی تاکید فرماتے، عدن پہنچکر قیام کیا، اور نامعلوم مدت تک ہدایت خلق میں مشغول رہے،

مرض الموت عدن میں خلق کی ارشاد وہدایت میں مشغول تھے کہ مرض الموت شروع ہوا، مسلسل

---

[1] وسیلہ شرف بروایت مونس القلوب وکاشف الاسرار [2] وسیلہ اشرف الاسرار،

[3] مناقب الاصفیاء و مونس القلوب،

اکیس روز بے آب ودانہ رہے، جب کوئی مزاج پرسی کرتا تو جواب نہ دیتے، ایک مرتبہ بولے بھی تو فرمایا "مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو" برادر زادہ سے فرماتے کہ میں شیخ کو دیکھتا ہوں، مگر کچھ فرماتے نہیں، نہیں معلوم نہیں کیا منشاء ہے؟ ایک روز صبح کے وقت فرمائش کی کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو، اور تکیہ لگا دو، آج کی شب شیخ کی پوری زیارت ہوئی ہے، مگر خواب تم سے نہیں بیان کر سکتا، برادر زادہ نے عرض کیا مگر یہ تو فرمائیں کہ شیخ کا منشاء کیا ہے، جواب دیا وہ خواب ایک رمز ہے، اور اس کے رمز یہ کلمات یہ ہیں، من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ اس قدر کہہ کر اپنی حالت میں گم ہوگئے،

تفویض خلافت جب وقت آخر ہوا تو شیخ الاسلام مولانا مخدوم شیخ حسین معز المطلب بہ نوشہ توحید بشمند توحید کو اپنی اور اپنے مشائخ کی روحانی دولت ونعمت تفویض فرماکر بہار روانہ ہوجانے کی تاکید کی، نوشۂ توحید نے عرض کی، بہار میں پیران طریقت بکثرت ہیں، میری کیا مجال کہ وہاں سر اٹھا سکوں، فرمایا دانشمند "چوں تو سر بر آری ہیچ سرے ندارم" اور چند خصوصی نصیحتیں کر کے خدا کی جانب رجوع ہوگئے،

وفات اور مدفن اور تیسری رمضان المبارک ۷۸۸ھ کو واصل بحق ہوئے، اور عدن میں بیرون شہر متصل ساحل سمندر مدفون ہوئے، عالیشان مقبرہ ہنوز موجود اور بوسہ گاہ خلائق ہے، مخدوم جہان کے بعد کل چھ سال زندہ رہے، وفات کے وقت تقریباً ۷۰ یا ۸۰ سال کی عمر تھی،

تاریخہائے وفات آپ کی وفات کے قطعات تاریخ متعدد کتابوں میں ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:-

شد بخت آن مظفر دین　　مقتدائے شیخ متقی بلخی
محتشم سال رحلتش فرما　　ہم بگو زندہ دل ولی بلخی

روح مولانا مظفر گرد چوں نقل مکان　　از عدن در عدن شد تاریخ مخدوم زمان

چشمۂ فیض ذات اوست گزو　　رفتہ بر سوئے جوئبار شرف
سال نقل مظفر بلخی　　جستم و یافتم بہار شرف

تلخیص و تبصرہ

شیر شاہ کی سیکولر حکومت

پروفیسر کالکارنجن قانون گو کی مشہور و معروف کتاب "شیر شاہ" ۱۹۲۱ء مین شائع ہوئی تھی اس سے ہم ذیل مین کچھ اقتباسات پیش کرتے ہین، جو اگرچہ طویل ہین لیکن ان سے اندازہ ہوگا کہ بھارت کا موجودہ نظام اس جلیل القدر فرمانروا کے نظام حکمرانی کا کہان تک رہین منت ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اس مسلمان حکمران نے اپنے عہد مین کس طرح ایک سیکولر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی،

نظم و نسق

شیر شاہ نے رفتہ رفتہ اپنی حکومت ایک ٹھوس بنیاد پر قائم کر لی، اور یہ بنیاد نیچے سے مستحکم ہوکر اوپر کی طرف گئی، نظام حکومت کے استحکام مین سلطنت کی وسعت کا بھی خاص طور سے خیال رکھا گیا، شیر شاہ نے پورے ہندوستان کا انتظام اس طرح قائم کیا کہ حکومت کے مالی ذرائع پر پوری طرح قابو کے ساتھ دور دراز علاقون کے گاؤن تک براہ راست اس کے اقتدار مین رہے، اس کی سلطنت پرگنون مین تقسیم تھی، جو اس طرح رکھی گئی تھی کہ گاؤن کی آزادی مین کوئی خلل نہ پیدا ہونے پائے، ہر پرگنہ مین ایک شقدار، ایک امین اور ایک فوطہ دار (یعنی خزانچی) اور دو کارکن ہوتے، ان مین سے ایک ہندی اور ایک فارسی تحریر لکھنے کے لئے ہوتا، ان پرگنون کی صحیح تعداد کو بتانا مشکل ہے، تاریخ شیر شاہی اور واقعات مشتاقی مین ہے کہ شیر شاہ کی سلطنت مین ایک لاکھ تیرہ ہزار پرگنے تھے، لیکن اُن کے مؤلفون نے پرگنون اور گاؤن کو ایسا خلط ملط

کر دیا ہے کہ ان کی تعداد بتانے مین ان سے غلطیان ہوگئی ہین، اکبر کے زمانہ مین ۸۲ سرکار کے ماتحت ۲۷۴۴ پرگنے تھے، اگر ہم یہ بھی تصور کرین کہ شیر شاہ کے پرگنے نسبتہً کچھ چھوٹے تھے، تو پھر زیادہ سے زیادہ تین ہزار پرگنے اور ہر پرگنے مین اوسطاً پندرہ چھوٹے چھوٹے قصبے ہونگے،

پرگنہ کے شقدار امن و امان کے محافظ تھے، اُن کے ماتحت ایک فوجی دستہ ہوتا تھا، امین کے فرائض مین محاصل کا تعین اور ان کی تحصیل تھی، شقدار اپنے عہدہ کے لحاظ سے معزز سمجھا جاتا، لیکن امین کا وہ کوئی افسر بالا نہین ہوتا، شاہی فرامین کی تعمیل شقدار ہی کے ذریعہ سے کی جاتی، وہ اپنے علاقہ مین امن و امان برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہوتا، اور ضرورت کے وقت کچھ فوجی مدد امین کو بھی دیتا، لیکن بغاوت کے دفع اور محاصل کی وصولی مین اس کو اپنی مرضی سے جارحانہ کارروائی کا اختیار نہین تھا، شیر شاہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اس کے ملکی نظم و نسق مین فوجی مداخلت نہ ہونے پائے، امن و امان کے زمانے مین فوج کا کام غیر فوجی حکام کو صرف مدد پہونچانا تھا، امین تمام غیر فوجی شعبون کا سربراہ ہوتا، کارکن اور فوطہ دار اس کے ماتحت ہوتے، لیکن بدانتظامی اور غبن کی صورت مین یہ تمام ملازمین مجموعی حیثیت سے مرکزی حکومت کے سامنے جواب دہ سمجھے جاتے، امین حکومت اور رعایا کے درمیان ایک غیر جانبدار ثالث تصور کیا جاتا،

متعدد پرگنے ایک سرکار کے ماتحت ہوتے، ہر سرکار مین ایک فوجی حاکم شقدارِ شقداران اور ایک غیر فوجی عہدیدار منصفِ منصفان ہوتا، یہ نظام سلطان سکندر لودی کے زمانہ مین بھی تھا، جبکہ حکومت کی تمام اراضی علحدہ علحدہ شق مین منقسم تھی، اور ہر شق مین ایک شقدار اور ایک دیوان مقرر کیا جاتا، شقدارِ شقداران کوئی مقتدر امیر ہوتا جس کے ماتحت دو ہزار سے پانچ ہزار تک فوجی ہوتے، یہ تعداد ہر سرکار کی نوعیت اور وہان کی رعایا کے مزاج کے مطابق ہوتی، شقدارِ شقداران اپنے علاقہ کے شاہراہون پر امن قائم رکھتا، اگر شاہی محاصل کی ادائگی مین کاشتکار کوئی بے جا اور نامناسب رویہ اختیار کرتے

تو وہی اُن کی باغیانہ روش کا سدباب کرتا،

منصب منصفان سرکار کے تمام غیر فوجی عہدیداروں کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا، وہ دیوان کے بھی کچھ فرائض انجام دیتا، لیکن اس کے دفتر کو پرگنہ کے مالی معاملات سے بہت زیادہ تعلق نہ ہوتا، پرگنہ کے دفتر کا تعلق براہ راست مرکزی حکومت کے سکریٹریٹ سے تھا،

منصف منصفان پرگنہ کے تمام عہدیداروں کے کردار و اعمال پر نگرانی ضرور رکھتا، تاکہ وہ رعایا پر کسی قسم کا ظلم یا شاہی محاصل میں خیانت نہ کر سکیں، اگر پرگنوں کے حدود سے متعلق کوئی اختلاف یا جھگڑا پیدا ہو جاتا، تو وہی اس کا فیصلہ کرتا، اور کوئی انتشار پیدا ہونے نہ دیتا، کاشتکاروں اور پرگنے کے ملازموں کے تنازعات کا بھی فیصلہ وہی کرتا، وہ پرگنہ کے کسی عہدیدار کو بطور سزا برطرف کرنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنے کا اختیار نہ رکھتا تھا، بلکہ صرف بادشاہ کے پاس اپنی رپورٹ بھیج دیتا، اور وہ جو چاہتا، کرتا، پرگنے، اور سرکار کے عہدیدار ہر دوسرے تیسرے سال ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل دیے جاتے تھے،

شیر شاہ کا سب سے بڑا انتظامی حلقہ سرکار ہی تھا، صوبہ اور صوبہ دار کا عہدہ اکبر نے قائم کیا، شیر شاہ فوجی گورنر کے عہدہ کو پسند نہ کرتا تھا، بنگال میں اُس نے گورنر ضرور مقرر کیا، لیکن اس گورنر کو نہ کوئی فوجی اقتدار حاصل تھا، اور نہ بہت زیادہ انتظامی اختیارات تھے، بلکہ وہ صوبہ کے مختلف اعلیٰ حکام پر محض نگرانی رکھتا تھا کہ ان میں کوئی تصادم نہ ہونے پائے، اسی قسم کے بے ضرر گورنر اور صوبوں میں بھی مقرر کرنا چاہتا تھا، لیکن فوجی ضروریات کی بنا پر پنجاب میں ہیبت خان نیازی کو تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقرر کیا، شجاعت خان کو مالوہ میں مامور کیا، اس کے ماتحت بارہ ہزار فوجی تھے، اسی طرح خواص خان، اجمیر، جودھپور، اور ناگور کا گورنر تھا، لیکن اُن صوبوں میں بھی مرکزی حکومت مالیات اور عدل و انصاف کو اپنے ہی قابو میں رکھتی تھی، شیر شاہ فوجی گورنر کے عہدہ کے

خطرات سے اچھی طرح واقف تھا، اس لئے اس کو پسند نہ کرتا تھا،

تاریخ شیر شاہی کے مؤلف عباس کا بیان ہے کہ شیر شاہ سلطنت کے ہر چھوٹے بڑے کام کو اپنی ہی نگرانی میں انجام دلاتا، سلطنت کے ہر شعبہ کی روداد روزانہ سنتا، ارکان دولت یعنی وزراء جو کام اپنے اپنے شعبوں میں کرتے تھے، اُن کی تفصیل سے برابر باخبر رہتا، اور جو بھی حکم دیتا، وہ آئندہ کے لئے دستور العمل بن جاتا،

شیر شاہ کے وزراء کی حیثیت محض سکریٹری کی تھی، جو روزمرہ کے کام اس کی ہدایت کے مطابق انجام دیتے، پالیسی (یعنی حکمت عملی) کی تشخیص وہ خود کرتا تھا، اور اس سلسلہ کے سارے کاموں کو حتی الوسع خود ہی انجام دیتا، صدر کے فرائض اسی کے ذمہ تھے، وہ خزانہ عامرہ کا بھی صدر اعظم تھا، مختلف صوبوں سے جتنی روزانہ آمدنی آتی، اس سے پوری طرح باخبر رہتا، اس طرح اُس نے جو مرکزی نظام قائم کیا، اس میں پورے ضابطہ کے ساتھ کارکردگی پیدا ہو گئی تھی، اور یہ نظام اس کے خاندان کے خاتمہ کے بعد مغلوں کے زمانہ میں بھی قائم رہا، گو اس میں اُن کی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ضروری تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں، اور موجودہ نظام بھی اسی کے سانچہ کا ہے، برطانوی ہند کے مجسٹریٹ اور کلکٹر شیر شاہ کے شقدار، شقدار شقداران کے جانشین ہیں، اور تحصیلدار گویا عامل یا امین کی جگہ پر ہیں،

فوج | شیر شاہ نے فوج کو صحیح معنوں میں اپنی بادشاہت کا ایک جزء بنا لیا تھا، وہ خود ہی فوج کا سپہ سالار (کمانڈر ان چیف) اور میر بخشی (پے ماسٹر جنرل) بھی تھا، اُس نے مختلف قسم کی جو اصلاحیں کی تھیں، ان سے ایک ادنیٰ فوجی کا تعلق بھی براہ راست اس کی ذات سے ہو گیا تھا، پہلے کی طرح کوئی سپاہی اپنے کو کسی خاص امیر کا ملازم نہیں سمجھتا تھا، بلکہ بادشاہ کا خدمت گذار تصور کرتا تھا، اس کی ترقی کسی امیر کے رحم و کرم پر منحصر نہ تھی، بلکہ شیر شاہ کو خود ہر فوجی سے غیر معمولی دلچسپی ہو گئی تھی اور وہ حکومت کے بڑے اہم عہدیداروں کے

خلاف کسی ادنیٰ فوجی کی منصفانہ حمایت کرنے مین مطلق دریغ نہ کرتا تھا،

شیر شاہ کے پاس ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچیس ہزار پیادے تھے، جو ہمیشہ مسلح اُس کے رکاب مین رہتے تھے، پانچ ہزار جنگی ہاتھی بھی تھے، اور شاندار توپخانے سے اُس کی فوجی قوت ناقابلِ تسخیر بن گئی تھی، میدانِ جنگ سے واپسی کے بعد فوجین آرام کرنے کے لئے صوبے کی چھاؤنیون مین بھیج دی جاتین، اور ان چھاؤنیون کی فوجین خدمت کے لئے بلائی جاتین،

شیر شاہ کی فوج مین پیدل سپاہی اور بندوقچی تمام تر ہندو تھے، جو بکساریہ (یعنی بکسر کے بندوقچی) کی نسل سے تھے، اور ان پر اس کو شمالی صوبون کے لشکریون سے زیادہ بھروسہ تھا، وہ ہندوؤن کو فوج مین اہم عہدون پر بھی مامور کرتا تھا، اور اس کی یہ پالیسی شروع زندگی ہی سے تھی، اس کے بہترین سپہ سالارون مین برہم جیت گوڑ بھی تھا، جو چونسا اور بلگرام کی لڑائیون کے بعد ہمایون کے تعاقب کے لئے دور تک بھیجا گیا، شیر شاہ کے اہم فوجی عہدیدارون مین گوالیار کا راجہ رام شاہ بھی تھا، اُس نے نیل گڑھ کی لڑائی مین شجاعت خان کو جس بہادری سے بچایا، اس کی تعریف مورخون نے کی ہے، تاریخ داؤدی مین ہے کہ راجپوتون کا بھی ایک پورا دستہ شیر شاہ کی فوج مین تھا، یون تو مسلمان حکمرانون کی فوج مین پہلے بھی ہندو رہتے تھے، مثلاً محمود غزنوی کے لشکر مین ہندوؤن کو فراخدلی کے ساتھ جگہین دی گئین، لیکن شیر شاہ نے ہندوؤن کو اپنی فوج مین اس لئے جگہ دی کہ اس کے پیشِ نظر ہندوستان مین ایک قوم کی تعمیر کا تخیل تھا، اور اس لحاظ سے ہندوؤن کا اس کی فوج مین داخل ہونا، بڑی اہمیت رکھتا تھا،

نظام مال | شیر شاہ نے تخت نشین ہونے سے پہلے سہسرام مین زمین اور کاشتکاری کا اتنا اچھا انتظام کیا تھا کہ تخت نشینی کے بعد ان ہی اصولون اور تجربون سے پورا فائدہ اٹھایا، اپنی سلطنت کی پوری اراضی کی پیمائش کرائی، یہ پیمائش ڈوری سے ہوتی تھی، اکبر نے ڈوری کے بجائے بانس استعمال کیا،

زراعت کی زمین بگھون مین تقسیم کی گئی، ایک بگھہ (یا جریب) ۳۶۰۰ مربع گز کا ہوتا تھا، ہر رعیت کی اراضی کی پیمائش علحدہ علحدہ ہوتی، اس پیمائش کے بعد حکومت بطور مالگذاری پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کرتی، کاشتکارون کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ مالگذاری خواہ غلہ کی صورت مین دین یا نقد رقم مین ادا کرین، پرگنہ کے ہر گاؤن کی زمین کی پیمائش اور مالگذاری کی تشخیص امین کی نگرانی مین ہوتی، ہر رعیت اپنی اراضی کی تفصیل اور مالگذاری کی رقم لکھ کر امین کے حوالہ کر دیتا، جس پر دونون کے باضابطہ دستخط ہوتے، یہ تحریر قبولیت کہلاتی تھی، امین بھی ایک تحریر رعیت کو دیتا، جو پٹہ کہلاتا تھا، اس مین حکومت کے تمام مطالبات درج ہوتے[1]،

مالگذاری کی وصولی مقدم کرتے تھے، لیکن رعایا براہ راست پرگنہ کے خزانے مین بھی داخل کر سکتی تھی، اس طرح رعایا اور سرکاری حکام ایک دوسرے سے قریب تر رہتے، ہر قسم کی ناجائز رقم کی وصولی کی سخت ممانعت تھی، شیر شاہ نے حکومت اور کاشتکارون کے مفاد کو ایک ہی چیز سمجھا تھا، اور اس کا خیال تھا کہ اگر رعایا کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کیا جاتا ہے، تو اس سے حکومت کو بھی فائدہ پہونچتا ہے، اس کا حکم تھا کہ مالگذاری کی تشخیص کے وقت تو نرمی سے کام لیا جائے لیکن وصولی کے وقت کوئی رعایت نہ کی جائے، سرکاری حکام نے بھی اسی پر عمل کیا، شیر شاہ ان حکام سے مطلق خوش نہ ہوتا تھا، جو بڑی آمدنی دکھانے کے لئے زیادہ رقم وصول کرتے، بلکہ وہ اس بات سے مطمئن ہوتا تھا کہ جتنی مالگذاری تشخیص کی جاتی، وہ سب کی سب حکام کی کارگذاری سے وصول ہو جاتی، رعایا عام طور سے اس سے خوش تھی کہ اس پر مالگذاری کا زیادہ بار نہ تھا، اگر کوئی کاشتکار مالگذاری کی رقم کو زیادہ سمجھتا تو فصل کی پیداوار ہی کو تقسیم کرا لیتا، مالگذاری کی تشخیص اور وصولی سال مین ایک بار ہوتی تھی، اس مین یہ فائدہ تھا کہ ارضی و سماوی آفات سے جس قدر بھی فصل

[1] یہ دونون اصطلاحین آج تک رائج ہین،

بیچ دیتی اسی پر معاملت ہوتی، فصل کی خرابی کی صورت مین رعایا کو بقایا رکھنے کی اجازت تھی، مگر پیداوار
کی شکل مین اُن کو سال بسال ادائگی پر مجبور کیا جاتا، جو ان کے حق مین بھی بہتر تھا،

شیر شاہ کا مالی نظام جو آگے چل کر ٹوڈرمل کے بندوبست کے نام کے مشہور ہوا، مغلون کے عہد
مین شمالی ہند مین برابر قائم رہا، اس کی مخصوص چیزین انگریزون کے زمانہ مین بھی رعیت واری سٹلمنٹ
کے نام سے باقی رہین، جس کے مداح خود انگریز بھی تھے، شیر شاہ کی کوشش تو یہی رہی، کہ اس کا نظام
مال پوری سلطنت مین یکسان ہی رہے، لیکن کہین کہین بعض ملکی مشکلات اور سیاسی مصالح کی بنا پر
سمجھوتے سے بھی کام لینا پڑا، مثلاً ملتان مین ہیبت خان نیازی کو حکم دیا کہ لنگاہ کی روایات کو برقرار
رکھتے ہوئے ان سے پیداوار کا چوتھائی حصہ تو لے لیا جائے، لیکن اُن کی زمین کی پیمایش
نہ کرائی جائے، مگر عام طور سے بندوبست اور پیمایش کا کام عدل و انصاف کے ساتھ بڑے پیمانہ پر
کیا گیا، اگر اس کام کے سلسلہ مین زمیندار کوئی باغیانہ روش اختیار کرتے، تو شیر شاہ اُن کو سختی سے دباتا،

سرکار سنبھل مین عیسی خان سروانی نے باغی زمیندارون کو
اس طرح پسپا کر دیا کہ انھون نے مجبور ہو کر ان جنگلون کو صاف کر دیا، جہان بغاوت مین وہ پناہ
لیتے تھے، اور پھر ساری زمینون کی پیمایش کرا کے مالگذاری بھی ادا کی، دریاے جمون اور چمبل کے
ساحلون پر رہنے والے زمیندارون کی سرکشی کو شیر شاہ نے بارہ ہزار لشکریون سے دبایا، اگر اس کی حکومت
دس بیس برس اور رہ جاتی تو وہ ہندوستان سے زمیندارون کا بالکل قلع قمع کر دیتا، اور ہندوستان ان
جنگلون سے پاک صاف ہو جاتا، جو زمیندارون کی بغاوت کے اڈے تھے، اور اس ملک مین ہر جگہ قابل
زراعت زمین ہی زمین ہوتی، جس مین صرف کھیتی لہلہاتی دکھائی دیتی، لیکن شیر شاہ کی زندگی نے وفا نہ
کی، اس لئے دور دراز علاقون مین پرانی زمینداری باقی رہ گئی، گو اُس نے خود بھی ایسی سرحدون پر زمیندارون
کی حوصلہ افزائی کی جہان وہ خطرناک ہونے کے بجائے دفاع کے لئے مفید ہو سکتے تھے،

تجارت

شیر شاہ نے تجارتی نظام کچھ ایسا قائم کیا تھا، کہ شمالی ہند کی گھٹتی ہوئی تجارت کو پھر فروغ
ہونے لگا، اور اس مین اُس کی حکمت عملی اس کے دور اندیشانہ تدبر کی دلیل ہے، سلطنت کے ایک صوبہ
سے دوسرے صوبہ تک تجارتی اشیا کے آنے جانے مین بڑی رکاوٹین تھین، صوبہ کے اندر بھی تاجرون کو
مختلف چنگیون اور محصولون کی وجہ سے مال کے لانے اور لیجانے مین بڑی دقت ہوتی تھی، اور ان رکاوٹون
اور دقتون کی وجہ سے تجارت محدود ہو کر رہ گئی تھی، جس سے ملک کی خوشحالی پہ اثر پڑ رہا تھا، شیر شاہ
نے تمام اندرونی چنگیون کو معاف کر دیا، اور صرف سرحدون اور فروخت کرنے کی جگہون پر محصول
لیا جاتا تھا، بقیہ تمام شاہراہون گھاٹون، قصبون اور مواضعات کی چنگیان معاف کر دی گئی تھین،
سرکاری حکام کو بازار کی مقررہ شرح سے کم قیمت پر کسی چیز کی خریداری کی سخت ممانعت تھی، صوبہ کے
گورنر اور عامل کو ہدایت تھی، کہ وہ تاجرون کو راستے مین ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائین، اور ان کو کسی قسم
کا ضرر نہ پہونچنے دین، اگر کوئی تاجر راستہ مین مر جاتا، تو کسی کو اس کا مال لوٹنے گھسوٹنے کی مجال نہ تھی،
بیرونی ممالک سے جو تجارتی مال بنگال آتا، اس پر درآمدی محصول مطلق نہین لیا جاتا،

سڑک اور سرائے

شیر شاہ کی شاندار حکومت کی مستقل یادگارین اس کی بنائی ہوئی سڑکین ہین، ان
سڑکون کی تعمیر سے گوناگون فوائد حاصل ہوئے، اُن سے ملک مین وحدت پیدا ہوئی، فوجی نقل و حرکت مین
بھی بڑی آسانی ہو گئی، دارالسلطنت آگرہ کو مرکزیت حاصل ہوئی، سب سے بڑی سڑک سنار گاؤن (نزد
ڈھاکہ) سے دریاے سندھ تک پندرہ سو میل لمبی تھی، دوسری سڑک آگرہ سے دکن کی سرحد برہان پور
تک تھی، تیسری سڑک آگرہ سے جودھ پور اور چتوڑ تک بنائی گئی، چوتھی لاہور سے ملتان تک جاتی
تھی، سڑکین اس طرح بنائی گئی تھین، کہ تمام فوجی اڈے ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے، اسی
لئے بوقت ضرورت کسی ایک جگہ تمام فوجین آسانی سے جمع ہو جاتی تھین، مسافرون کے آرام کے لئے
ان سڑکون پر سایہ دار درخت لگا دیئے جاتے تھے، اور جا بجا سرائین بنا دی گئی تھین، ہر سرائے مین

ہندو اور مسلمان کے لئے علحدہ علحدہ گھڑے تھے، سرائے کے دروازے پر بھرے ہوئے آب خورے رکھے رہتے تھے، کہ جو چاہے آکر پانی پی لے، ہر سرائے مین ہندوؤن کے لئے برہمن بھی ہوتے، تاکہ وہ ہندو مسافرون کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام کر سکین، ان ہندو مسافرون کے لئے ہر وقت ٹھنڈا اور گرم دونون پانی موجود رہتا، ان کے سونے کے لئے اُن کو بستر بھی دیا جاتا، اور اُن کے گھوڑے کے لئے دانے بھی رکھے جاتے، اور یہ تمام اخراجات حکومت برداشت کرتی، ہر سرائے مین ایک مسجد بھی ہوتی، جہان ایک امام ایک مؤذن اور کئی پہرہ دار مقرر ہوتے، ہر سرائے کی دیکھ بھال کے لئے ایک شقدار مقرر کیا جاتا، یہ تمام اخراجات اس زمین سے وصول کئے جاتے، جو سرائے کے پاس ہی ان کامون کے لئے وقف ہوتی، شیرشاہ نے ہندو مسلمان کے ساتھ جو یکسان برتاؤ رکھا، وہ اس کے شریفانہ جذبات کی دلیل ہے،

شیرشاہ کے نظم و نسق مین سڑکین اور سرائین بہت ہی مفید ہوئین، ان دونون کی سہولتون کی وجہ سے سرکاری احکام ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے منتقل ہو سکتے تھے، سرکاری احکام کی تعمیل مین بھی اُن سے بڑی مدد ملتی تھی، پھر فوجین تیزی سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکتی تھین، خود سلطان کو دور دراز سفر کرنے مین آسانی پیدا ہو گئی تھی، ہر سرائے مین اس کے لئے بھی ایک کمرہ مخصوص رہتا، ان سراؤن کی وجہ سے گاؤن والون پر مسافرون کی مہمانداری کا بار مطلق نہ پڑتا، پھر شاہراہون پر ہر وقت آمد و رفت رہنے لگی، تو تاجرون کو بھی لوٹ مار کا خوف نہ رہا، اور تجارتی اشیاء آسانی سے ادھر اودھر آنے جانے لگین، بعض سرائین تو تجارتی منڈی بھی ہو گئین جہان کاشتکار اپنی چیزین اچھے منافع پر فروخت کرتے تھے، ان راستون سے بادشاہ کا کسی سفر پر جانا ہوتا، تو گاؤن والے آسانی سے اس کو دیکھ لیتے، اور اس خیال سے خوش ہوتے کہ وہ ایسی سلطنت کے اجزاء ہین جس کا حکمران ان کے پاس سے گذرا ہے۔

(باقی) "ص ع"

بابُ التقریظ والانتقاد

حکیمُ الاُمّت

مؤلفہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

ع :- قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است

اس کی کتنی اچھی شہادت ہمارے زمانہ مین سیدنا حکیم الامت مولانا اشرف علی التھانوی قدس اللہ سرّہ العزیز کی ذات بابرکات تھی، ہی نہین، بلکہ اب بھی ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ حسنِ قبول کا خداداد سلسلہ کب تک جاری رہے گا،

حضرت کی زندگی کے آخری سالون مین بات یہان تک پہنچ گئی تھی کہ زبان مبارک سے کوئی فقرہ مشکل ہی سے ایسا نکلا ہو، جسے لوگون نے نوٹ نہ کر لیا ہو، اور نوٹ نہ کرنے کے بعد چھاپ کر شائع نہ کر دیا ہو، مرحوم غفر اللہ لہ، خود فرمایا کرتے تھے کہ نادیدہ کراماً کاتبین کے ساتھ دیکھنے میرے پیچھے دیدہ کاتبین لگا دیئے گئے ہین،

دنیا جیسا کہ معلوم ہے حضرت والا ایک قصباتی آدمی تھے، وہ بھی ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ کے جو اردو زبان کے اضلاع متندّدہ[1] مین خاص شہرت رکھتا ہے، اور تعلیم بھی پائی تھی مدرسہ دیوبند مین جو

---

[1] یعنی تشدید کے بغیر جو الفاظ عموماً اردو زبان مین بولے جاتے ہین، یو پی کے بالائی حصہ کے چند اضلاع

بھی ایسے زمانہ مین جب اردو زبان مین لکھنا پڑھنا، علمار کے لئے موجب اہانت نہ تھا، تو سرمایۂ فخر و مباہات بھی نہ تھا، علماء ایک خاص قسم کی زبان استعمال کرنے کے عادی تھے، جسے عوام نہ زیادہ سمجھتے تھے، اور نہ اس سے دلچسپی لیتے تھے،

مگر باین ہمہ اسی مولویانہ زبان مین جس پر سہارنپوری لب ولہجہ کا کافی اثر قدرتی طور پر تھا، بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے حضرت تھانوی نے لکھنا بھی شروع کیا، اور اسی زبان مین آپ کی تقریرین بھی ہونے لگین، مجلسی گفتگو بھی آپ اسی خاص طرز کی مولویانہ زبان ہی مین فرمانے کے اسی کے وہ عادی تھے،

لیکن خدا داد حسن قبول کے سوا اس کی توجیہ اور کیا کی جائے، کہ آپ کے قلم کا لکھا ہوا ایک ایک حرف، زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ، کانون سے گذر کر عموماً دلون مین اترتا رہا، اپنے آپ کو، اپنی زبان کو اپنے لکھنے اور بولنے کے طریقہ کو حضرت نے تو نہین بدلا، لیکن دیکھا گیا کہ بڑے بڑے وقت کے منشی قلم اور زبان کے دھنی خود اپنے آپ کو بدل رہے ہین، اور کوشش کر کر کے اسی طرزِ خطاب واسلوب کلام سے اپنے آپ کو مانوس بنانے کی کوششون مین منہمک ہین، جس کا مشاہدہ بھی شاید وہ گوارا نہین کر سکتے تھے،

بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مطبوعہ شکل مین آج حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریری و تقریری سرمایہ کا جو ذخیرہ اردو زبان مین پایا جاتا ہے، شاید اس کی نظیر نہین ہو سکتی، ادھر کچھ دنون سے ایک طبقہ تیار ہو گیا ہے، جو حضرت حکیم الامت کے افادات کو مختلف عنوانون مین مدون و مرتب کرنے مین مشغول ہے، اسی کو دین کی، علم کی، انسانیت کی خدمت یقین کرتے ہوئے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۳) سہارنپور، مظفر نگر، بجنور وغیرہ مین ان ہی کو عوام تشدید کے ساتھ استعمال کرتے ہین، مدنی کو مدّنی کہتے ہین اگرچہ اب یہ مدّنی کا یہ تشدیدی رنگ ہلکا پڑتا جا رہا ہے، جو مواصلات کی سہولتون کا لازمی نتیجہ ہے،

[کا]فی جوش اور ولولے سے اسے انجام دے رہا ہے، شکر اللہ مساعیہم وبارک فیہا، افادات شرعیہ کے ان خادمون [مین] علماء بھی ہین، صاحب قلم مشاہیر علمار اور تعلیم یافتہ انگریزی خوان جماعت کے افراد بھی ہین، آئے دن [نئ]ے نئے عنوانون سے اس سلسلہ مین کتابین پیش ہو رہی ہین، لینے والے ہاتھون ہاتھ ان کتابون کو [لے] رہے ہین، پڑھ رہے ہین، خود فائدہ اٹھا رہے ہین، دوسرون کو فائدہ پہنچا رہے ہین،

گذشتہ مہینہ مین ایک نئی کتاب "حکیم الامت نقوش و تاثرات" کے نام سے اردو زبان کے کہنہ مشق [ص]احب طرز ادیب مولانا عبد الماجد دریابادی مدیر صدق جدید کے قلم سے مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے، اتفاقاً [خا]کسار کے پاس بھی پہنچی، یہ واقعہ ہے کہ ہاتھ مین لینے کے بعد اسی وقت الگ ہوئی، جب (۴۰۰) صفحات ختم [ہو] کر کے تڑپ رہا تھا، کہ آخر یہ کتاب کیون ختم ہو گئی، یہ کتاب کیا ہے؟ اس مین دین کے لئے علم کے لئے [عق]ل کے لئے، ذہن کے لئے دل کے لئے دماغ کے لئے مصنف کے حسن مذاق نے کتنی لذیذ اور زود ہضم غذائین [جم]ع کر دی ہین، اس کا صحیح اندازہ کتاب کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے،

لیکن ایک بات تو بالکل نمایان اور کھلی ہوئی ہے یعنی مکتوبات، ملفوظات، یا اسی نوعیت کی کتابین [ع]موماً حضرات صوفیہ کرام کے افادات کی عام شکلین ہین، اس کتاب کا رنگ ان سب سے الگ اور نرالا ہے، [اگ]رچہ اس مین بھی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ ملفوظات بھی ہین، اور کچھ مکتوبات بھی، لیکن جس شکل مین یہ [چ]یزین اس کتاب مین پیش کی گئی ہین، کم از کم خاکسار کا ذاتی تاثر تو یہی ہے، کہ تصنیف تالیف کے دائرہ مین [ش]اید ایک مستقل صنف کا اضافہ اس کتاب کی شکل مین ہو گیا ہے، پڑھنے والے اس مین بے شمار عقائدی [ال]جھنون سے نجات کی ضمانتین بھی پائین گے، بعض اہم فقہی مسائل کی تحقیق کا لطف بھی اُن کو ملے گا، تصوف کے نکات واسرار کا تو یہ کتاب مستقل گنجینہ ہے، لیکن اُن کے سوا بھی خانگی زندگی کی دشواریون کے متعلق [ر]احت بخش نیک مشورے آپ کو ملین گے، وہین وقت کے بعض سیاسی نظریات کے سلسلہ مین آپ کے سامنے ایسے پہلو بھی اس کتاب مین آئین گے، جسے مانا جائے یا نہ مانا جائے، لیکن سیاسی تدبیر و فکر کا اُسے

غیر معمولی نمونہ سمجھا جا سکتا ہے، مجلسی آداب، ملنے جلنے کے ضوابط، لاضرر ولاضرار والی خوشگوار زندگی کے اصول
وقواعد تو تھانوی افادات کے خصوصیات ہیں، الغرض کتاب کا ہر ورق، بلکہ شاید ہر صفحہ کم از کم میرے لئے
تو مستقل درس ہی بنتا چلا جاتا تھا، یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج پڑھنے والے اخباروں، رسالوں موسمی کتابوں
کے ہزار ہا ہزار صفحات میں بھی جن چیزوں کو نہ پاتے ہیں، اور نہ پا سکتے ہیں، اس کتاب کا پڑھنے والا محسوس
کرے گا کہ اس کی ایک ایک سطر میں وہی چیزیں مسلسل ملتی چلی جاتی ہیں، بے ساختہ مصنف کے لئے دل سے
دعائیں نکلتی ہیں، جزاہ اللہ عنا وعن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الجزاء، باقی اپنی اجیرانہ
یا تاثر کو بجائے تقریظ کے عصری تنقید کا مصداق بنانے کے لئے کتاب کی کوتاہیوں اور نقائص کا ذکر ہو
اس کے متعلق کیا عرض کروں، وہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ والی بات یاد آتی ہے، "الرسالۃ" اپنی تصنیف
لکھنے کے بعد ستر دفعہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام نے اس کتاب کی نظر ثانی کی، ہر دفعہ کافی نقائص سامنے
آتے تھے، آخر سترہویں دفعہ کی نظر ثانی کے بعد فرمایا،

خدا انکار کرتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا کسی مخلوق کی کتاب نقائص سے پاک ہو"

امت کے ایک جلیل القدر امام مجتہد کا جب یہ تجربی اعتراف ہے تو اسی سے سمجھا جائے کہ کسی
ناقص مخلوق کے ناقص کام کی تعریف کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہوتا کہ اس میں واقعی کوئی کوتاہی نہیں
رہ گئی ہے، یا عیب چینی کا ارادہ کیا جائے تو عیوب نہیں نکالے جا سکتے، دوسرے کے متعلق تو کیا کہوں
خود بعض مواقع پر اس فقیر کا ذکر اس کتاب میں جس طریقہ سے کیا گیا ہے، پڑھ کر شرم سے گردن جھک
گئی، میرے ایک خط کا مضمون جو وقتی تاثر کا نتیجہ ہوگا، شاید اب مجھے یاد بھی نہیں بجنسہٖ مصنف مدظلہ
نے نقل فرما دیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ لوگ اس سے کیا کیا نتیجہ نکالیں گے، خانگی خطوط کی عام اشاعت
لکھنے والے کا استمزاج کے بغیر اسی لئے خاکسار کا خیال تو یہی ہے کہ شاید مناسب بھی نہیں ہے لیکن ماقدر
اللہ فسوف یکون جف القلم بما ھو کائن،

مطبوعات جدیدہ

مذہبی تصورات از جناب سید اختر علی صاحب تلہری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۱ صفحے، کاغذ،
کتابت وطباعت معمولی، قیمت: - ۱۲/ پتہ سرفراز قومی بک ڈپو نادان محل روڈ لکھنو،

یہ کتاب مصنف نے مذہب کی تائید وحمایت اور اس کی ضرورت واہمیت کے ثبوت میں لکھی ہے ان کی
نگاہ قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم پر بھی ہے، اس لئے انھوں نے عقلی اور نقلی دونوں پہلوؤں سے ثابت کیا
ہے کہ انسانیت کی فوز وفلاح سچی خدا پرستی ہی پر منحصر ہے، اور فلسفہ سائنس اور دوسرے مادی افکار وتصورات
کے نقطۂ نظر سے خدا کے وجود اور مذہب اور اس کے متعلقات پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، اُن کی تنقید
وتردید کی ہے، اور دکھایا ہے کہ در حقیقت خدا اور مذہب سے بغاوت مذہب کی کمزوری کا نہیں، بلکہ
یورپ کے قدیم پاپائی مذہب کے جبر واستبداد کا نتیجہ ہے، جس نے انسانی عقل کی آزادی اور علوم وفنون کا گلا
گھونٹ دیا تھا، ورنہ حقیقی مذہب اور عقلی علوم میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور مادہ پرست حکما و فلاسفہ
خدا اور مذہب کے تصور پر جو اعتراضات کرتے ہیں، وہ خود فلاسفہ میں بھی مسلم نہیں ہیں، اور دوسرے
فلاسفہ نے ان کی تردید کی ہے، اس سلسلہ میں ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیا ہے جو مادہ پرستوں کی جانب
سے مذہب پر کئے جاتے ہیں، اور ثابت کیا ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل اور انسانیت کی دنیاوی واُخروی
فلاح وسعادت، اور دنیا کا امن وامان صرف مذہب ہی سے وابستہ ہے، اس کتاب میں حسب ذیل مباحث
ہیں، مذہب اور لامذہبیت، مذہب اور سائنس، سائنس کے چند تازہ انکشافات اور مذہب، مذہب، اور
اشتراکیت، مذہب اور انسانی فوز وفلاح، مذہب اور ادب، مذہب اور رواداری، خدا کے مذہبی تصور

سے ہیوم کا انکار اور اس پر تنقیدی نظر، معجزات سے ہیوم کا انکار اور اس پر تنقیدی نظر، معجزات سے

ہیوم کا انکار اور اس کی تنقید، مذہب اور لاادریت، یزدانیون کی موشگافیان اور عیسائیت، یورپ

مین لامذہبیت کے ارتقاء کے اسباب کا علمی جائزہ، حکیمانہ حریتِ فکر کی مذہبی اہمیت، ان مباحث مین مذکورہ

امور و مسائل پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے، آج کل جب کہ آزادی فکر اور روشن خیالی نام رہ گیا ہے

صرف خدا اور مذہب کے انکار کا ایسی کتابون کی بڑی ضرورت ہے، اور یہ کتاب اپنے فوائد کے لحاظ سے

اصحاب علم کے مطالعہ کے لائق ہے،

اساس دین کی تعمیر

از جناب مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۹ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- مکتبہ جماعت اسلامی ہند، رامپور،

یہ کتاب جماعتِ اسلامی کے ایک ممتاز رکن کی تالیف ہے، اس مین قرآن مجید اور احادیث نبوی کی روشنی مین دین کے حقیقی اجزاء و عناصر، اس کے قیام کی تدبیر، اسلامی روح پیدا کرنے اور زندگی کو صحیح اسلامی قالب مین ڈھالنے کے طریقے بتائے گئے ہین، اردو مین اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مصنف نے انہی مسائل کو جماعتِ اسلامی کے انداز مین تحریر کر دیا ہے، اگرچہ کتاب اپنے موضوع اور مبحث پر پوری طرح حاوی ہے، اور اس مین کوئی ایسی بات نہین ہے، جس سے کسی مسلمان کو بھی اختلاف کی گنجائش ہو، اگر یہ کتاب دوسرون پر چھینٹون سے خالی ہوتی، تو اس سے اس مین کوئی کمی نہ آجاتی، یہ طریقہ اصل مقصد کے لئے بھی کچھ مفید نہین ہے، خطابت بھی ضرورت سے زیادہ صرف کی گئی ہے، الفاظ کی کثرت معنی اور تاثیر دونون مین مخل ہوتی ہے، تاثیر اور دلنشینی کے لئے سادہ اور سلیس طرز تحریر زیادہ مفید ہے، مگر ان خفیف فروگذاشتون سے قطع نظر کتاب اپنے موضوع و مباحث کے لحاظ سے مفید اور مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

قانونِ محکم

از جناب تابان راشدی جمالی قادری تقطیع اوسط، ضخامت ۶۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۴ر، پتہ مکتبہ قادریہ نمبر ۲۲، خانقاہ شریف لین کلکتہ نمبر ۱۳،

مصنف کتاب کا طرزِ تحریر ایسا اعجوبہ اور نرالا ہے کہ اس سے موضوع کتاب کو سمجھنا مشکل ہے، مباحث کی نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا مقصد یہ ہو کہ مذہبی عقائد کو بے چون و چرا مان لیا جائے اور اس مین غور و فکر اور فہم و تدبر کو مطلق دخل نہ دیا جائے، چنانچہ انھون نے عقلی علوم، علم کلام اور فلاسفہ و متکلمینِ اسلام کی سخت مخالفت کی ہے، حتی کہ امام غزالی تک کو نہین چھوڑا ہے، بلکہ اس کتاب کا بڑا حصہ انہی کی تنقید و مذمت پر مشتمل ہے، مصنف ابھی بالکل نوآموز ہین، اور ان کا مطالعہ اتنا محدود ہے کہ خود ان کے بیان کے مطابق امام غزالی کے متعلق ان کا مبلغ علم صرف مولانا شبلی کی الغزالی ہے، اور اس علم و نظر کے ساتھ انھون نے مشق سخنی کے لئے موضوع ایسا اہم منتخب کیا ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا بڑے بڑون کے لئے بھی آسان نہیں ہے، اس لئے پوری کتاب ان کی نومشقی اور خامکاری کا نمونہ ہے، اس کی عبارت تک صحیح نہین ہے، اور مصنف اپنے مفہوم تک کو صحیح طریقہ سے ادا نہین کر سکے ہین، مذہبی حیثیت سے بھی ان کا نقطۂ نظر صحیح نہین ہے، ایمان بالغیب کا مطالبہ ان عقائد کے لئے ہے، جو عالم محسوسات سے ورا ہین، اور انسانی عقل مین نہین آسکتے، ورنہ قرآن مجید تو خود اپنی تعلیمات پر غور و فکر اور فہم و تدبر کی دعوت سے معمور ہے، بہرحال ایک نوآموز مصنف کی یہ پہلی کوشش ہے اس لئے ان کی یہ خامیان درگذر کرنے کے قابل ہین،

جراثیم اور طبِ قدیم

از جناب حکیم محمد کبیر الدین صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ر، پتہ:- دفتر المسیح بازار نور الامراء حیدرآباد دکن،

عام خیال یہ ہو کہ بیماریون کے جراثیم کی تحقیقات ایلوپیتھی کا کارنامہ ہے، اور طبِ قدیم مین اس کا وجود نہین ہے، اس کتاب مین سوال و جواب کے پیرایہ مین اس خیال کی پوری تردید کی گئی ہے، اور مستند حوالون سے دکھایا گیا ہے، کہ قدیم کتابون مین جراثیم اور ان کے جملہ متعلقات کا تذکرہ موجود ہے، صرف الفاظ اور اصطلاحون کا فرق ہے، اور جراثیم کے نظریہ اور اخلاط کے پرانے نظریہ مین کوئی تعارض نہین ہے،

اس رسالہ مین اس مسئلہ کے تمام پہلوؤن پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، اردو مین اس موضوع پر اس سے زیادہ معلومات نہ مل سکین گے، مگر عربی مین ابن خاتمہ کے ایک رسالہ مین جو دبا پڑا ہے، شاید کچھ مزید معلومات مل جائین، مصر کے رسالہ المقتطف مین اس موضوع پر عرصہ ہوا ایک مضمون نکل چکا ہے،

مراثی میر:- مرتبہ جناب سید مسیح الزمان صاحب ایم اے تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے رتبہ انجمن محافظ اردو، نیا محل منصور نگر، لکھنؤ،

میر تقی میر نے مراثی بھی کہے ہین، اور ان کے کلیات کے قلمی نسخون مین اُن کے متفرق مرثیے ملتے ہین ان مین سے بعض چھپ بھی چکے ہین، مگر اب تک اُن کے کل مرثیون کا پتہ صحیح نہین چل سکا ہے، اور نہ ان کا کوئی مجموعہ شائع ہوا ہے، لائق مرتب نے معلوم قلمی اور مطبوعہ مرثیون کو جمع کرکے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے، اس مین متعدد مرثیے ایسے ہین، جو ابھی تک کہین نہین چھپے ہین، اس مین ۴۴ مرثیے اور ۴ سلام ہین، کتاب کے شروع مین اردو مرثیہ نگاری کی مختصر تاریخ اور ہر دور کے نمونے دیئے ہین، اور میر کے مرثیون پر مختصر تبصرہ کیا، میر کا زمانہ شمالی ہندوستان مین مرثیون کا ابتدائی دور تھا، اس لئے میر کے مرثیے بھی اسی کا نمونہ مگر تاریخ مرثیہ نگاری کا اہم کڑی ہین، اور ان کی اشاعت سے ایک یادگار ادبی ذخیرہ محفوظ ہوگیا،

روح بلاغت حصہ اول از جناب اخلاق دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی،

فارسی مین شمس الدین فقیر کی حدائق البلاغت فن بلاغت کی مشہور نصابی کتاب ہے، مولانا امام بخش صہبائی دہلوی نے مفید حذف و اضافون کے ساتھ اُس کا ترجمہ کیا تھا، جو اب تک بعض یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہے، مگر یہ طویل بھی ہو اور اسکی زبان آج سے ایک صدی پیشتر کی ہے، اس لئے جناب اخلاق دہلوی نے طلبہ کی سہولت کے لئے صاف اور سلیس زبان مین اس کی تلخیص کردی ہے، اور اس تلخیص مین اس فن کی دوسری کتابون سے بھی مدد لی ہے جس سے یہ رسالہ طلبہ کے لئے بہت مفید اور کارآمد بن گیا ہے،

"م"